BEST SELLER

The Message of Success

کامیابی کی امنگ پیدا کرنے والی کتاب

کامیابی کا پیغام

کامیابی و کامرانی کے حصول کیلئے آفاقی اصول

قاسم علی شاہ

کامیابی کا پیغام

کامیابی اور خوشحالی کو ممکن بنانے والے آفاقی اصول

قاسم علی شاہ

منزل پبلیکیشنز
520-A گلشن راوی، لاہور
042-37412486,0333-4317811

نام کتاب : کامیابی کا پیغام

مصنف : قاسم علی شاہ

اشاعت : 23مارچ 2014ء

کمپوزنگ : آصف محمود 0333-4272827

پروف ریڈنگ : محمد نواز

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس 43 نسبت روڈ لاہور۔
042-37356547, 37351007

تعداد : 1000

سرورق : تیمور رشید 0300-4705806

پبلشرز : منزل پبلیکیشنز A-520 گلشن راوی لاہور

قانونی مشیر : مجید اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹس اینڈ ایڈوائزرز)

قیمت : 400روپے

اِنتساب!

اپنے روحانی اُستادِ محترم

حضرت واصف علی واصفؒ

کے نام

جن کی فکری دانش نئی نسل کی مثبت سمت نمائی کر رہی ہے

خدا کرے تمہیں مقصد میں کامیابی ہو
تمہارا نیک ارادہ مجھے پسند آیا
(ساحرؔ)

فہرست

OO

اظہارِ تشکر

کسی بھی سفر کے ساتھی بہت اہم ہوتے ہیں جب ساتھ منزل تک جائے تو سب کا شکریہ ادا کرنا ہم پر واجب ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں درج کامیابی کے متعلق نظریات، اصولوں اور رازوں کو ایک عرصے سے میں اپنے شاگردوں کو پڑھا رہا ہوں۔ تدریس (Teaching) میں سکھانے کے ساتھ ساتھ سیکھنے کے مواقع بھی ہیں۔ آپ کے بتائے ہوئے گر سے جب کوئی طالب علم کامیاب ہو جاتا ہے تو آپ کا اپنے علم پر یقین مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ سیکھنے سکھانے کے عمل کے دوران سب احباب کی خواہش تھی کہ ”کامیابی کا پیغام“ پاکستان کے ہر نوجوان تک پہنچنا چاہیے۔ اس سارے سفر میں میرے ابو جان اور امی جان کی دعائیں میری ہمت بڑھاتی رہیں میں اُن کا دلی طور پر مشکور ہوں۔

اپنے Great Sir پروفیسر ارشد جاوید صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے فلسفۂ کامیابی سے روشناس کروایا اور ہر مرحلے پر خلوص رہنمائی فرمائی۔ ارشد صاحب میرے Role Model بھی ہیں اس لیے اُن کی سنگت میرے جوش و خروش کو برقرار رکھنے کا باعث بھی بنتی رہی۔ ارشد صاحب کی صحت، سلامتی اور مشن کی کامیابی کے لیے دل سے دعا ہے۔

آج ترقی اتنی ہو چکی ہے کہ ہمارے پاس میزائل تو گائیڈڈ (Guided) ہیں لیکن

نوجوان نسل ان گائیڈڈ (Unguided) ہے میں بالخصوص ملک کے نامور کالم نگار اور اینکر پرسن جناب جاوید چوہدری صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ ان کی تحریریں نہ صرف مجھے بلکہ ہر نوجوان کو Guide کر رہی ہیں میں نے لکھنے کی Inspiration ان سے لی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ چوہدری صاحب کا فیض عام کر دے۔

ہم روز نماز میں یہ دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں ان کا رستہ عطا فرما جس پر تیرا انعام ہوا، اگر آپ کے پاس انعام یافتگان کی کوئی مثال نہیں تو پھر آپ کے لیے ان کے راستے پر چلنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ رب کریم نے مجھے محترم ملک خالد یعقوب صاحب کے ساتھ ملوایا اور میرے لیے خدا تعالیٰ پر ایمان اور توکل کرنا ان کی مثالی صورت کی وجہ سے آسان ہو گیا۔

پودوں کی خوراک پانی اور آکسیجن ہوتی ہے اور انسان کی کامیابی کو خوراک تب ملتی ہے جب اسے کوئی شاباش دے یا کچھ تعریف کرے۔ میری کامیابی، خود اعتمادی اور صلاحیت درحقیقت کچھ ساتھیوں کی تعریف اور شاباشی سے آکسیجن لیتی رہی۔ ان ساتھیوں میں ماہر تعلیم جناب محمد ذوالفقار مغل (پرنسپل پاکستان سائنس ہائی سکول) جنھوں نے اپنے ادارے میں میٹرک کے طالب علموں کی تربیت و کردار سازی کے لیے یہ کتاب نصاب میں شامل کی۔ میں مغل صاحب کا شکر گزار ہوں اور ان کی محبت کا بھی قدر دان ہوں کہ اس کی وجہ سے مجھے طاقت ملتی رہتی ہے۔

میں جناب عمران حبیب صاحب پرنسپل ''LIFE'' حافظ آباد کا مشکور ہوں کہ ان کے تعاون کی وجہ سے کتاب سیکڑوں لوگوں تک گئی میں ان کی علم دوستی کا بھی قدر دان ہوں۔

یہ کتاب تو میں نے لکھی ہے لیکن میری زندگی کی کامیابیوں کی کتاب کے مصنف میرے مہربان اور بے لوث اساتذہ، سر امجد اعوان، سر نوید مجید، سر سلطان خان، سلیم احمد صاحب اور سر طارق سیماب ہیں۔ میں اپنے تمام ٹیچرز کا دلی طور پر شکر گزار ہوں۔

میں پروفیسر رفرف صاحب کی استقامت اور خدمت کو بھی ماڈل کے طور پر لیتا ہوں اُن کے تعاون اور محبت کا شکریہ۔ محترم ڈاکٹر کرنل امتیاز صاحب کے خلوص کو بھی سلام اور اُن کے لیے دُعا۔

میں ضمیر آفاقی (سینئر جرنلسٹ) بالخصوص خرم منصور قاضی صاحب (سینئر جرنلسٹ) اور وقاص شاہد صاحب (ماہنامہ حکایت) کا دلی طور پر شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ان تحریروں کو اخبارات اور رسائل کی زینت بنا کر میری ہمت بڑھائی۔

میں اپنے انکل احمد جاوید صاحب کا بہت ممنون ہوں۔ اُن کا پیار اور داد مجھے مزید آگے بڑھنے پر اُبھارتی ہے۔

میں اپنے پیارے بھائیوں جیسے دوست محمد نواز صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ انھوں نے مصروفیت کے باوجود کتاب کا مسودہ پڑھنے کے بعد رہنمائی فرمائی۔

میں اپنے دوست حافظ زوہیب طیب، انیس صاحب، محمد عمران صاحب، عمیر احمد اور مبشر احمد خان کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے کتاب کا مسودہ پڑھنے کے بعد مفید مشورے دیے۔

آخر میں اپنے تمام محبت کرنے والے Students کا شکریہ جو کامیابی کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے میں مددگار رہے۔

قاسم علی شاہ
0333-4317811
520-A گلشن راوی، لاہور (پاکستان)
qasim_alishah@hotmail.com

اپنا حصہ

اُس کا انداز بہت تجسس بھرا تھا الفاظ میں شدت اور بولنے میں بھی بہت تیزی تھی۔ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے ایک انوکھا سوال میرے سامنے رکھ دیا کہ "سر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" میں نے بھی لاپروائی سے کہا "کچھ خاص نہیں" وہ دوبارہ بہت جلدی میں بولا "نہیں سر کچھ تو ہے کہ کبھی آپ اپنے کالموں میں کامیابی کے سربستہ راز جتانے لگتے ہیں، کبھی اخلاقیات کو نئے انداز میں بیان کرتے ہیں اور کسی دن تقدیر ساز فیصلے کرنے پر مجبور کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب آپ کیوں لکھ رہے ہیں؟ میں نے اُس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس سے یہ سوال پوچھا کہ "آپ مجھ تک کیسے پہنچ پائے حالانکہ آپ تو میرے شاگرد نہیں: و؟ وہ فوراً بولا کہ سر آپ کے کالم پڑھنے کی وجہ سے کیونکہ میں یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں تو وہاں آپ کے کئی شاگرد آپ کے کالمز کی (Photo Copies) بانٹ دیتے ہیں جو مجھ تک پہنچ گئیں، مجھے یہ باتیں بہت متاثر کن لگیں اس لیے آپ سے ملنے کو دل چاہا اور میں چلا آیا میں نے کہا کہ یہ باتیں اور یہ راز آپ تک پہنچانے کے لیے ہی تو میں انھیں کالمز میں شامل کر رہا ہوں وہ جذباتی انداز میں بولا مگر سر یہ باتیں ہماری قوم کو کہاں سدھاریں گی ہمارے ہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ یہاں تو انقلاب آنا چاہیے کیونکہ انقلاب ہی اس قوم کا علاج ہے۔ نوجوان کی شکل بڑی واضح اور جذبات سے بھری ہوئی تھی میں نے چند لمحوں کا وقفہ لیا

اور اپنے سوچ کے دھارے کو اس نوجوان کی نا اُمیدی دُور کرنے پر راغب کیا اب مجھے بولنے کی جلدی بھی تھی اور میرے جذبات میں شدت بھی تھی کیونکہ مجھے اُس نوجوان کی Brain washing کرنا تھی۔ آخر میں نے سکوت توڑا اور بولا۔

بیٹا کہتے ہیں جنگل میں آگ لگ گئی اور اتنی خوفناک آگ کو دیکھتے ہوئے سارے جانور جنگل سے باہر بھاگے۔ جنگل میں ایک درخت پر چڑیا کا گھونسلا تھا چڑیا نے جب آگ دیکھی تو فوراً اُڑی اور جنگل کے پاس موجود ندی کے کنارے پر پہنچی۔ اُس نے اپنی چونچ میں پانی کی چند بوندیں بھریں اور جنگل کی آگ پر پھینکنی شروع کیں۔ یہ عمل اُس نے کئی بار کیا اسی دوران جنگل کے بادشاہ شیر کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ شیر بولا کہ اے چڑیا تیری چند پانی کی بوندیں کہاں جنگل کی آگ بجھائیں گی چڑیا نے کہا بادشاہ سلامت آپ کا سوال اتنا اہم نہیں کہ یہ چند بوندیں کہاں جنگل کی آگ بجھائیں گی؟ بلکہ سوال اُس بادشاہ کل کائنات کا اہم ہوگا جو مجھ سے آخرت کے روز پوچھے گا کہ اے چڑیا جب پورا جنگل آگ سے جھلس رہا تھا تو تو نے اس جنگل کی آگ بجھانے کے لیے کیا کیا؟ تب میں انتہائی ادب اور احترام سے اپنے اللہ کو یہ بتا سکوں گی کہ اے مالکِ کل کائنات! جب جنگل جل رہا تھا تو میں نے اُسے بچانے کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق چند بوندیں پانی کی پھینکیں تھیں اور میرا مالک خوش ہو کر فقط اتنا کہہ دے گا کہ جا چڑیا میں آج تجھ سے راضی ہوا۔ سو بیٹا میں اُس چڑیا کی مانند اپنا حصہ ڈال رہا ہوں۔ تاکہ آخرت کے روز جب حساب کتاب کی باری آئے اور مجھ سے پوچھا جائے کہ ہم نے تجھے قلم کی سیاہی سے روشنی پھیلانے کی طاقت دی اور تیری آواز کو دوسروں تک پہنچنے کے قابل بنایا تو تو نے اس سے کیا کیا؟ اُس وقت میں اپنی حقیری کوشش کو پیش خدمت کروں گا اور میرا مالک اتنا غفور و رحیم ہے کہ وہ چڑیا کی چند بوندوں کی مانند میری اس حقیر کوشش کو بھی قبول کر لے گا۔

جذبات ہار اور جیت کی نہیں ہوتی۔ بات فقط قبول ہونے کی ہوتی ہے۔ ...اگر

چڑیا کے بچے کو ہمت دے تو وہ شہباز کی آنکھیں پھاڑ دیتا ہے۔ وہ چاہے تو فقط ایک تنکا کسی بڑے صاحب بینا کی بینائی چھین سکتا ہے۔

مالکِ کل کائنات تو ایک حقیر مچھر کی مدد سے نمرود جیسے شہنشاہ کو ذلت کی موت دے سکتا ہے اور وہ اپنی حکمت دکھانے پر آئے تو کمزور مکڑی کے جالے کی مدد سے اپنے محبوبؐ جو وجہ تخلیقِ کائنات ہیں کو حفاظت فراہم کر سکتا ہے۔ کیا پتا کسی عبادت گزار کی تکبر والی عبادت قبول نہ ہو اور کسی گناہ گار کی عاجزی و ندامت کے دو آنسو اُسے بھلے لگیں اور وہ اُسے بخش دے۔

''ایمان دار تاجر آخرت کے روز شہید صدیقین اور انبیاء کی صف میں کھڑا ہوگا'' (حدیث نبوی)

پتا کیا معلوم کہ میری یہ چھوٹی سی کاوش کسی کو کل ایماندار تاجر بنا دے اور جب وہ اُن عظمت والے لوگوں کی صف میں کھڑا ہو تو وہ خدا تعالیٰ سے یہ کہہ دے کہ ''مالک مجھے ایمان دار تاجر بنانے والا ذریعہ تو فلاں شخص کی تحریر تھی میرے مالک اُس کو بھی اسی صف میں لا کھڑا کر۔'' اور شاید اُسی وقت میری اس کوشش کا صلہ مجھے مل جائے یہ بات اہم نہیں کہ کسی عمل کا فوراً نتیجہ کیا ہے اور وہ کتنا مشہور و مقبول ہو جاتا ہے بات اہم یہ ہے کہ اُس عمل کی نیت کیا ہے اگر نیت بہتر ہے تو مالک نے عمل سے پہلے نیت کو دیکھتے ہوئے اُس کا صلہ دے دینا ہے۔

اس لیے اگر آج ملک مصائب میں گھرا ہوا ہے تو یہ دیکھیے کہ کون اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق اُس کی بہتری میں اپنا حصہ ڈال رہا ہے۔ یہ حصہ کسی ہم وطن کے لیے دعا کرنے سے بھی ڈالا جا سکتا ہے۔ یہ حصہ تحریر کی مدد سے بھی ہو سکتا ہے اور تقریر کی مدد سے بھی۔ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے دعا فرمائی کہ ''خدا اس شخص کو آباد کرے جو میری بات کو سنے اور آگے پہنچائے'' اس لیے اچھی بات کا آگے منتقل کرنا بھی عبادت ہے۔ ناامیدی کے دور میں اُمید بانٹ دینا بھی اپنا حصہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ ناامیدی تو دیمک کی

کفر ہے اس لیے جو ہو سکتا ہے بیٹا آپ بھی کرو؟

اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کے نبیؐ کے لیے، اس ملک کے لیے اور اپنی آنے والی نسلوں کی بہتری اور خوشحالی کے لیے آپ بھی اپنا حصہ ڈالیں چاہے وہ فقط کسی کے درد کو محسوس کرتے ہوئے دو آنسو ہی کیوں نہ ہوں کیا پتا وہی آپ کی بخشش کا سبب بن جائیں۔

OO

خود کو قیمتی بنایئے

یہ دنیا ان لوگوں کو بھلا دیتی ہے جو اس دنیا کے لیے اہم نہیں ہوتے جس طرح کچھ لوگ تجوریوں میں خزانہ چھپاتے ہیں اسی طرح بے شمار لوگ عظیم ہستیوں کی یاد کا خزانہ اوران کے لیے محبت دلوں میں چھپائے پھرتے ہیں۔ دریا کے تیز بہاؤ کو کوئی مضبوط چٹان ہی دو حصوں میں کاٹ سکتی ہے۔ چھوٹے پتھر تو دریا کے بہاؤ کے ساتھ ہی چل پڑتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جن شخصیات نے بھی اس دنیا کی خدمت کی، اس دنیا میں محبت بانٹی اور امن کا درس دیا ان کے نام آج بھی زندہ ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ آخر ان تمام لوگوں میں کیا خاص بات تھی کہ وہ دنیا کے لیے اہم تھے۔ تمام بنی نوع انسان کو اگر انسان ہونے پر فخر ہے تو شاید انہی عظیم انسانوں کے کارناموں کی وجہ سے ہے۔

ان تمام شخصیات کی عظمت کا ایک اہم ترین راز یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ذات کو دنیا والوں کے لیے قیمتی اور اہم بنایا اسی وجہ سے تو وہ آج تک یاد کیے جاتے ہیں۔ اردو شاعری میں غالبؔ کا نام کبھی نہیں مٹے گا۔ فلسفہ خودی ہو تو حضرت اقبالؒ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ الگ ملک حاصل کرنے کی جدوجہد کی داستان ہو تو محمد علی جناحؒ ذہن میں آجاتے ہیں۔ ایجادات کا سلسلہ ہو تو ایڈیسن کو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا غرض یہ کہ ہر شعبے میں عظمت والے نام موجود ہیں جو عظمت پانے سے پہلے ایک طویل جدوجہد اور

محنت سے خود کو قیمتی بناتے ہیں۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ سب سے اہم ان کی اپنی ذات ہے۔ کیونکہ اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ رہتا۔ اسی لیے انھوں نے اپنا مال اسباب، گھر بار، علاقہ، محلّہ اور خاندان تک کو چھوڑنا گوارہ کیا لیکن اپنی ڈگر سے ہٹنا پسند نہیں کیا۔

آپ وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں جس کے آپ خواہش مند ہیں مگر اس کے لیے آپ کو اپنی ذات کو بہت قیمتی بنانا ہوگا۔ یاد رکھیے ''قیمتی ذات'' کا مطلب کیا ہے؟

''اگر کسی محفل میں آپ کی موجودگی اور غیر موجودگی سے فرق نہیں پڑتا تو ایسی محفل میں کیا جانا اور اگر اس دنیا پر آپ کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑا تو جب آپ جائیں گے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا اس لیے آپ کا دنیا پر آنا آپ کے لیے فضول اور بے کار ہوگا۔''

آپ دنیا کے لیے قیمتی تب بنتے ہیں جب بقول شاعر:

ہمارے دم سے زینتِ انجمن کی
ہماری یاد ہوگی ہم نہ ہوں گے

کے مفہوم پر آپ پورے اُتریں۔

یاد رکھیں آپ کے لیے سب سے اہم آپ کی اپنی ذات ہے اس لیے بہترین سرمایہ کاری اپنی ذات پر کیجیے۔ اس سرمایہ کاری کی ابتدا ان سوالات سے کیجیے کہ

''آپ کو یہ زندگی فقط ایک بار ملی ہے یہ موقع دوبارہ نہیں ملتا اس زندگی کے بدلے آپ کیا کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟''

جب آپ اس دنیا سے جائیں گے تو اس دنیا کو کیا کچھ دے کر جائیں گے؟

ان دونوں سوالات کے جواب لکھ لینے کے بعد خوب غور و خوض کریں تو آپ کو اپنا مقصدِ حیات پتا چل جائے گا پھر اس کے ذریعے محنت اور جدوجہد شروع کر دیجیے۔

بہترین کتابیں پڑھیے یہ آپ کی ذات کو نکھاریں گی کتابوں کا مطالعہ انسان کو

عظمت کی دہلیز پر پہنچا دیتا ہے وہ کتابیں پڑھیں جو آپ کے اخلاق کو بلند کریں اور آپ کی ہمت کو بڑھائیں۔ ہمارے ملک میں کتابیں پڑھنے کا رواج عام نہیں ہے۔ ہمارے ہاں نوجوان فارغ وقت میں T.V اور Internet پر وقت ضائع کرتے ہیں ترقی یافتہ ممالک کی ترقی اور خوشحالی کی بڑی وجہ ہی کتاب سے محبت ہے۔ وہاں فارغ وقت میں لوگ ہاتھ میں کتاب پکڑے نظر آتے ہیں آج بھی دنیا میں ایسے ترقی یافتہ خاندان موجود ہیں جو لڑکے کا رشتہ دیکھنے آتے ہیں تو اس کی لائبریری کو لازماً دیکھتے ہیں۔ بہر حال کتاب آپ کی ذات کے لیے بہترین سرمایہ کاری ہے۔

اپنی ذات کی بہتری کے لیے غور و خوض کی عادت ڈالئے یہ دنیا خود خدا تعالیٰ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی خوبصورت کتاب ہے۔ ہر وجود یہ بتانے میں مصروف ہے کہ میں بھی موجود ہوں۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے بانسری کی آواز پر غور کیا تو انہیں علم ہوا یہ تو جدائی کی داستان سنا رہی ہے۔ صاحب درد بھی اللہ تعالیٰ سے دوری کی داستان سناتا رہتا ہے۔ غور و فکر اتنا اہم ہے کہ قرآن پاک میں بے شمار جگہ غور و فکر کرنے کا حکم آیا۔ اپنی ذات کو قیمتی بنانے کے لیے ایسی Trainings اور سیمینارز لیے جا سکتے ہیں جو آپ کو کامیابی کی طرف ابھاریں آپ کے علم میں اضافہ کریں کیونکہ کہا جاتا ہے۔ "To earn more learn more" بدقسمتی سے ہمارے ہاں سیلف ہیلپ اور Personality Development کے موضوعات پر نہ ہونے کے برابر سیمینارز ہوتے ہیں۔ لیکن جب بھی آپ کے علم میں آئے تو ضرور سیمینارز میں جائیں کوئی صاحب علم جب بولتا ہے تو اس کے کئی سالوں کا تجربہ اور تحقیق آپ کو چند گھنٹوں میں حاصل ہو جاتی ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ

"کسی صاحب بصیرت کی مجلس میں بیٹھنا ہزار سالوں کی عبادت سے بہتر ہے۔"

کچھ سالوں سے ہم نے Self Help اور پڑھائی کو بہتر بنانے کے حوالے سے

سیمینارز شروع کیے ہیں۔ جن کے نتائج ناقابلِ بیان ہیں۔

اپنی ذات کو بہتر اور قیمتی بنانے کے لیے آپ ایسے علم اور فنون سیکھ سکتے ہیں جو آپ کی ذات کے اندر پنہاں خوبیوں کو باہر نکالیں ان میں ہپناٹزم بہت موثر ہے۔ NLP (نیورو لنگیوسٹک پروگرامنگ) آج ذہن کو استعمال کرنے کے حوالے سے بہترین علم ہے مراقبہ، یوگا، چکرا اور ریکی بھی سیکھی جا سکتی ہے۔

اخبارات اور رسائل کا مطالعہ بھی علم میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ علمی و ادبی بحث و مباحثے میں حصہ لیں اس سے آپ کا زاویۂ نظر وسعت پاتا ہے۔ سیر کریں اس سے دنیا کی خوبصورتی آپ کے اندر کی خوبصورتی کو جگائے گی۔ یاد رکھیں کامیابی کی ضمانت اپنی ذات پر سرمایہ کاری کرنے کا فیصلہ ہے۔

OO

کامیابی کیسے ممکن ہے؟

ہر شخص کامیابی اور خوشحالی چاہتا ہے لوگ کامیابی کو قسمت کے حوالے سے دیکھتے ہیں حالانکہ کامیابی پر کی جانے والی ریسرچ کے مطابق کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک مخصوص فلسفہ اور نظریہ کارفرما ہے۔ زیادہ تر کامیاب لوگ جو اس دنیا پر آئے ہیں خدا تعالیٰ نے ان میں یہ فلسفہ اور کامیابی کا جذبہ فطرتی شامل کیا۔ یہ لوگ کامیاب تو ہو جاتے ہیں لیکن ان کو بھی اس Process کو واضح طور پر بیان کرنے کا علم نہیں ہوتا جس کی وجہ سے یہ لوگ بھی بہتر رہنمائی نہیں کر پاتے۔ کامیاب لوگوں کی کچھ تعداد جو گفتار کے غازی بھی ہوئے وہ اتنی مصروف زندگی گزار رہے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس دوسروں کی رہنمائی کا وقت ہی نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی بہت تھوڑی تعداد یہ راز بتانا پسند بھی نہیں کرتی شاید اس ڈر سے کہ دوسرے اُن کی جگہ نہ لے لیں حقیقت بالکل مختلف ہے یہ آفاقی اصول ہے کہ دوسروں کو راستہ دینے سے آپ کا رستہ بھی کھل جاتا ہے۔

نظام کائنات کچھ مخصوص قوانین اور اصولوں کی مدد سے چل رہا ہے انسان جب ان آفاقی حقیقتوں اور اٹل اصولوں کو جانتا ہے تو انھیں قوانین کا نام دے دیتا ہے بے شمار عقل سے بالاتر واقعات بھی کسی نہ کسی قانون اور قاعدے کی وجہ سے وقوع پذیر ہو رہے ہوتے ہیں لیکن انسان کی رسائی فی الوقت وہاں تک نہیں ہوئی ہوتی۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں ایک ریسرچ سکالر نپولین ہل نے کامیابی اور خوشحالی کی حقیقت کو جاننے کی

تھائی۔ اس نے سخت محنت سے 25 سال ہزاروں کامیاب اور ناکام لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کیا ان کا انداز فکر دیکھا ان کے رویے پر غور کیا اور دنیا والوں کو کامیابی اور ترقی کے فلسفے سے روشناس کروایا۔

نپولین ہل کی ریسرچ بہت واضح اور حتمی ہے اس میں گنجائش نہیں لیکن وہ ریسرچ زیادہ تر کاروباری حضرات کے حوالے سے ہے۔ان اصولوں کو اگر اسلام کے نظام کمال کے ساتھ ملا دیا جائے اور بالخصوص نوجوان طبقے کو ان سے متعارف کروا دیا جائے تو ناقابلِ یقین نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ ہم یہ کام اپنے ادارے میں کچھ سال سے سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کامیابی کے پیغام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کامیابی کے حوالے سے ایک۔ سیمینارز کا سلسلہ چلتا رہا دوسرا طالب علموں کے بھرپور اصرار پر ہم نے ان آفاقی اصولوں کے موضوعات پر کام لکھنا شروع کیے جو آپ کے سامنے کتابی شکل میں پیشِ خدمت ہیں۔

مالکِ کل کائنات نے اس دنیا پر بے شمار مزاج پیدا کیے یہ Variety ہی ہے جو اس دنیا کی خوبصورتی کا باعث ہے۔ ہر انسان اپنے مزاج میں پابند ہے۔ ایک بات کسی کی پسندیدہ ہے تو دوسرا اسی بات کی وجہ سے رنجیدہ ہے ہر کوئی غم زدہ بھی ہوتا ہے اور خوش بھی لیکن اس خوشی اور غم کی وجوہات سب کے لیے مختلف ہیں آپ قدرت کے بنائے ہوئے مزاجوں کا خوبصورت تضاد دیکھیے کہ ایک شخص مال بنا کر خوش ہو رہا ہے تو دوسرا مال لٹا کر تسکین پا رہا ہے۔ کوئی انسانیت کو بے قرار کر رہا ہے اور کوئی سب کے قرار کا باعث ہے۔ مزاج کے فرق کی وجہ سے کامیابی کی تعریف سب کے لیے مختلف ہے۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ

"کسی خاص شعبے میں کوئی فرد اگر منفرد مقام بناتا ہے تو وہ کامیاب ہے"

مثلاً غالب شاعری میں اپنا نام بنا گیا، سقراط فلسفے میں شیکسپیئر انگریزی ڈرامہ نگاری کا بادشاہ بنا الغرض یہ کہ اگر کسی شخص کو کسی کام میں خوشی بھی ملے اور شہرت بھی

حاصل ہو تو وہ کامیاب ہے اس لیے ایک طالب علم، کھلاڑی، سیاست دان، بزنس مین اور سائنسدان میں سے ہر ایک کی کامیابی کا مفہوم مختلف ہے۔

اسلام ایک مسلمان کو کامیابی کا نیا اور منفرد تصور دیتا ہے یہ تصور کامیابی ہم روز پڑھتے ہیں مگر غور نہیں کرتے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرہ حسنة وقنا عذاب النار ۝

اس دعا میں دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی طلب کی گئی ہے یعنی اسلام دنیا اور دین کو الگ نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ دنیا ایسے بناؤ کہ آخرت بھی بن جائے۔ اسلام کے مطابق کامیابی اتنی اہم نہیں جتنا مقصد کا انتخاب اہم ہے۔

دور جدید کے تقاضوں کے مطابق کامیابی کا تصور زندگی کے مختلف شعبوں کو متاثر کرتا ہے ایک فرد مالی طور پر مضبوط ہوتا کہ وہ دوسروں کی بھی مدد کر پائے اور اس کو ذہنی سکون اور اچھی صحت بھی حاصل ہوتا کہ وہ زندگی کا بھرپور لطف لے سکے۔ وہ باکردار ہو، اچھی شہرت کا حامل ہو اور اپنے پیشے میں منفرد ہو اپنی پسند کا معیار زندگی رکھتا ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے احکام پر محبت سے عمل پیرا ہو۔

کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ دل و جان سے کامیابی حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں۔ کسی بھی مضمون کو پڑھنے سے اس پر عبور حاصل ہوتا ہے کامیابی بھی ایک خاص شعبہ ہے اور آپ کے لیے ایک انوکھا مضمون بھی اس لیے آپ کو اس کا مکمل علم حاصل کرنا ہوگا۔ ہماری یہ کتاب کامیابی کے اسی شعور کو عام کرنے کے لیے ہے۔

کامیابی کے لیے جذبے اور جوش کی ضرورت ہوتی ہے اور منفی جذبات تو سب لوگوں کی گھر کی کھیتی ہیں۔ مثبت، طاقت ور اور قابل استعمال جذبات حاصل کرنے کے طریقے ہم آپ کو بتا دیں گے۔ کامیابی کا سفر شروع کرنے سے پہلے ایک ایسا راز آپ کو بتانا ضروری ہے جس کے بغیر آج تک کوئی فرد بام عروج تک نہیں پہنچا وہ راز یہ ہے۔

تقدیر ساز فیصلے

دنیا کے بڑے بڑے کارناموں کی ابتدا بھی ایک فیصلہ کرنے سے ہوتی رہی ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیے اور پاکستان بننے کا وقت یاد کیجیے۔ اگر یہ فیصلہ نہ کیا گیا ہوتا کہ مسلمانوں کو ایک الگ وطن چاہیے تو کیا ملک بن پاتا؟

آپ اپنے بچپن کے سکول کے ابتدائی دنوں کو یاد کریں ان دوستوں کے چہروں اور اساتذہ کے ناموں کو یاد کریں سکول کی درودیوار کو تصور میں لائیں اور پھر آج کے دن کو دیکھیں کیا آپ نے تب سوچا تھا کہ آپ کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ اس وقت آپ نے کوئی مناسب شعوری فیصلہ نہیں کیا اس لیے آج حالات آپ کے من پسند نہیں ہیں۔ لیکن زندگی تو وہ ہے جو ابھی باقی پڑی ہوئی ہے۔ اگر آپ آج سوچ سمجھ کر کوئی شعوری، زبردست اور زندگی ساز بڑا فیصلہ کرتے ہیں تو آپ کا سارے کا سارا مستقبل بدل کر رہ جائے گا یاد رکھیں۔

"زندگی صدیوں، سالوں، مہینوں اور دنوں میں نہیں بدلتی بلکہ زندگی اُسی لمحے میں بدل جاتی ہے جس میں آپ زندگی بدلنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔"

کامیابی اچھے فیصلوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کامیاب لوگ تمام حقائق اور خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے فوراً فیصلہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اگر ایک بار فیصلہ کر

لیں تو پھر اسے بدلتے نہیں ہیں۔ ناکام لوگ صبح فیصلہ کرتے ہیں اور شام کو فیصلہ بدل لیتے ہیں۔ بے شمار لوگ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ کہیں ناکام نہ ہو جائیں۔ یاد رکھیں کہ کامیابی اچھے فیصلوں کا نتیجہ ہوتی ہے اچھے فیصلے تجربے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور تجربہ اکثر غلط فیصلے کرنے کی وجہ سے ہی آتا ہے۔ اس لیے فیصلے کرنے سے کبھی مت گھبرائیں۔

ہمارے ہاں نوجوانوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ زندگی ان کی اپنی ہوتی ہے اور اُن کی زندگی کے سارے فیصلے دوسرے لوگ کر رہے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بچہ بڑا ہو کر ایک غیر پختہ شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔ اُس میں فیصلہ کرنے کی قوت موجود نہیں ہوتی۔ ایک اچھا فیصلہ اتنی قوت کا حامل ہوتا ہے کہ یہ آپ کی زندگی کے ہر پہلو مثلاً آپ کے تعلقات، ماحول، کارکردگی، مستقبل، آمدنی، آپ کی قسمت اور خود آپ کو بھی بدل کر رکھ دیتا ہے۔

جو کچھ آپ ایک عرصے سے کرتے آرہے ہیں اس سے وہی نتائج مل رہے ہیں جو آج آپ کے سامنے ہیں۔ کچھ منفرد اور بڑا حاصل کرنے کے لیے آپ کو منفرد اور بڑا فیصلہ کرنا پڑے گا تاکہ آپ کا آیندہ آنے والا وقت شاندار طریقے سے گزرے۔ ہر عمل ایک نتیجہ دیتا ہے اور ہر عمل ہی ایک خاص سمت میں آگے بڑھاتا ہے۔ ہر سمت ہمیں ایک منزل کی طرف رواں دواں کرتی ہے۔ لیکن کیا صرف ایک بار کوئی عمل کرنے سے زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے گا؟ کبھی نہیں زندگی تو جہدِ مسلسل سے بنتی ہے۔ کسی خاص عمل میں مستقل مزاجی ہی ہماری قسمت کی صورت گری کرتی ہے۔ انسان کسی رستے پر تب ہی قائم رہ سکتا ہے جب اُس نے فیصلہ کیا ہو۔ اس لیے فیصلہ کرنا ہی قسمت کو سنوارتا ہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ:

"حالات کمزور لوگوں کو پیدا کرتے ہیں جب کہ طاقت ور لوگ خود

اپنی مرضی کے حالات پیدا کرتے ہیں۔ وہ حالات کی پیداوار نہیں ہوتے، کیونکہ انھوں نے حالات بدلنے کا فیصلہ کیا ہوتا ہے۔''

سو آج ہی اپنی زندگی کو بدلنے کا فیصلہ کریں۔ صرف ارادے یا خواہش سے بات نہیں بنے گی بلکہ اٹل فیصلہ کریں کہ آپ نے کیا بننا ہے؟ خود کو اکسائیں، ابھاریں اور یہ بتائیں کہ زندگی کا تحفہ صرف ایک بار ملا ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ بے کار ہی گزر جائے اور جب زندگی کا اصل مفہوم سمجھ آئے تو فیصلہ کرنے کا وقت ہی ختم ہو جائے اور زندگی ساتھ چھوڑ جائے۔ جوانی سے بہتر وقت کوئی نہیں۔ ماہرین کی ایک ریسرچ کے مطابق دیکھا گیا کہ عظیم لوگوں نے بھی عظمت حاصل کرنے سے بہت پہلے کچھ بن جانے کا فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ آج ہی اپنی سوچ، رویے اور عمل کو بدلنے کا فیصلہ کریں۔ کم از کم پانچ ایسے فیصلے ضرور کریں جو آپ کی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کر دیں۔ ہم آپ کو آئندہ بتائیں گے کہ فیصلہ کرنے کے بعد سب سے اہم کیا ہوتا ہے۔

OO

مقصد کی اہمیت

دنیا میں آج تک کسی ایسے انسان نے کامیابی حاصل نہیں کی جس کا کوئی مقصد نہ تھا اور آیندہ بھی کوئی شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مقصد کا تعین نہ کرے۔ آپ کی صلاحیتیں، وقت، ذہانت، محنت، کوشش، جذبہ وجنون اور قربانیاں کسی کام کی نہیں اگر یہ کسی خاص مقصد کے زیرِ تابع نہیں۔ یہ دنیا تعلیم یافتہ، ذہین اور محنتی لوگوں سے بھری پڑی ہے لیکن وہ ناکام ہیں کیونکہ ان کی زندگی کا ایک واضح مقصد نہیں۔ ایک آدمی سفر کر رہا تھا وہ ایک چوراہے پر پہنچا۔ اس نے وہاں سے گزرتے ہوئے ایک بوڑھے راہ گیر سے پوچھا "یہ سامنے والی سڑک کہاں جا رہی ہے"؟ بوڑھے نے کہا "تم نے کہاں جانا ہے"؟ وہ آدمی بولا "میں صرف چلنا چاہتا ہوں اصل میں مجھے کہیں نہیں جانا" اس پر بوڑھا بولا "جب تمہیں پتا ہی نہیں کہ تم نے کدھر جانا ہے تو پھر تم کوئی بھی رستہ اپنا لو"۔ اگر فٹ بال گراؤنڈ کے گول پوسٹس (Goal Posts) موجود نہیں تو پورے دن کے میچ کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا اور کوئی ٹیم ایک بھی گول نہیں کر سکے گی کیونکہ گول کرنے والے پوسٹس (Posts) کا تعین ہی نہیں کیا گیا۔ آپ کبھی بھی ایسی بس میں سوار ہونا پسند نہیں کریں گے جس کے متعلق یہ پتہ نہ ہو کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ زندگی بھی ایک سفر ہے اور اس سفر کو کامیابی کا سفر بنانے کے لیے آپ کو اپنے مقصد کا شعور ہونا چاہیے۔

ماہرین کی ریسرچ کے مطابق دنیا کے 98 فیصد لوگوں کا کوئی واضح نصب العین نہیں ہے وہ بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ناکام ہیں۔ خواہشات پالینا بہت آسان کام ہے لیکن ان خواہشات کو برقرار رکھتے ہوئے منظم طریقے سے اور جذبہ وجنون سے ایک واضح مقصد کی شکل دے دینا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے خواہشات سب کے پاس ہوتی ہیں لیکن مقصد کسی کسی کے پاس ہوتا ہے۔ آپ کا ذہین ہونا اتنی بڑی بات نہیں جتنا آپ کا با مقصد ہونا آپ کی خوش قسمتی کی علامت ہے۔

''عظیم ذہنوں میں خواب ہوتے ہیں اور پست ذہنوں میں فقط خواہشات''

خواہش ایک بیج کی مانند ہے جب تک اسے بویا نہ جائے یہ آپ کو فصل نہیں دے گی۔ دنیا کے کسی بینک میں خواہشات کیش نہیں کروائی جا سکتیں لیکن جب کسی کی خواہش جنون بن جاتی ہے تو وہی شخص بے شمار بینکوں کا مالک بن جاتا ہے۔

جب آپ ایک مقصد کو منتخب کرتے ہیں تو آپ کی ذہنی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ بظاہر آپ بھی کام کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی نہیں لیکن آپ کا ذہن ہر وقت اس منتخب شدہ مقصد کے لیے سوچ رہا ہوتا ہے۔ مقصد کے انتخاب کے بعد لاتعداد مواقع (Opportunities) آپ کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اور حالات بھی خود بخود آپ کی کامیابی کے لیے موافق ہو جاتے ہیں۔ سورج کی روشنی کو بھی جب محدب عدسے سے ایک جگہ مرکوز کیا جاتا ہے تو وہ کاغذ کو آگ لگا کر جلا دیتی ہے۔ ذہن کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں بھی جب کسی ایک مقصد کے زیر تابع ہو کر ارتکاز کی قوت حاصل کرتی ہیں تو آپ کو کامیاب بنا دیتی ہیں۔

ہمارے نوجوانوں کو Career Planning اور بامقصد زندگی کی اہمیت نہیں بتائی جاتی اس لیے وہ ڈگریوں کے انبار لگا لیتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ناکام رہتے ہیں۔ ایسے بے شمار نوجوان آپ کو ملیں گے جنہوں نے 5 مختلف مضامین میں (M.A) ماسٹر

ڈگری حاصل کی ہوئی ہے لیکن وہ ایک بھی شعبے کے ماسٹر نہیں ہوتے اس لیے کامیابی اور خوشحالی ان کے مقدر میں نہیں آتی۔ وہ نوجوان جلدی کامیاب ہو جاتا ہے، جس نے ایک مخصوص مقصد کے تحت تعلیم مکمل کی ہو اور ایک خاص شعبے کا ماہر ہو بجائے اس کے جس نے پورا انسائیکلوپیڈیا حفظ کیا ہو اور ایک فقرہ بھی اس کے جذبہ عمل کا جز نہ بن سکا ہو۔ آپ جتنا مرضی تعلیم یافتہ ہو جائیں اور کتابوں کے انبار پڑھ لیں اگر آپ کا کوئی مقصد نہیں تو یہ ایسے ہے جیسے آپ نے بہترین لباس زیب تن کر لیا اور آپ کو کہیں بھی نہیں جانا۔

”تعلیم فقط روزی کمانا ہی نہیں بلکہ جینا بھی سکھاتی ہے“

لوگ مقصد کا انتخاب کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ انھیں صرف رکاوٹیں نظر آتی ہیں یاد رکھیں رکاوٹیں تب نظر آتی ہیں جب آپ اپنے مقصد سے نظریں ہٹا لیتے ہیں۔ آپ کا مقصد آپ کی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کر دیتا ہے۔ بڑے مقاصد زیادہ جوش و خروش پیدا کرتے ہیں۔ اگر آپ چاند کو ہدف بنائیں گے، چاند نہ بھی ملا تو ستارے آپ کے دامن کو بھر دیں گے۔ اس لیے ایک بڑا مقصد انتخاب کریں۔ مقصد زمانہ حال کا وہ ارادہ ہوتا ہے جو آپ کے پورے مستقبل کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ مقصد آپ کو ایک شناخت دیتا ہے۔ موجودہ مقام سے مطلوبہ مقام تک کا فاصلہ مقصد ہی طے کراتا ہے۔ آپ کا مقصد آپ کے جینے کا سبب ہونا چاہیے ورنہ آپ اس کو حاصل نہیں کر پائیں گے۔ دیکھا گیا ہے کہ شکار شکاری کو دھوکا دے جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شکاری غذا (خوراک) کے لیے بھاگ رہا ہوتا ہے جب کہ شکار اپنی زندگی بچانے کے لیے۔

قائداعظم، علامہ اقبالؒ، حکیم محمد سعید، عبدالستار ایدھی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور عمران خان ان سب کے پاس ایک واضح حتمی اور منفرد مقصد حیات تھا اس لیے وہ کامیاب ہوئے۔ آپ کا مزاج دوسروں سے مختلف ہے اس لیے آپ کا مقصد بھی دوسروں سے مختلف ہونا چاہیے۔ سب کا ایک مقصد نہیں ہو سکتا۔ سب کے مقصد جدا ہیں

اچھے لگتے ہیں۔ سارے ایک ہی ساز بجائیں تو دنیا کی ساری رونق ہی ختم ہو جائے گی۔ اس لیے دوسروں کے مقاصد اور خوابوں پر تنقید کرنے کی بجائے آپ اپنا مقصد منتخب کریں۔ آپ کیا سیکھنا چاہتے ہیں؟ کیا اکٹھا کرنا چاہتے ہیں؟ کیسے انسان بننا چاہتے ہیں؟ اور کیا بانٹنا چاہتے ہیں؟ یہی سوالات آپ کو مقصد منتخب کرنے پر ابھاریں گے۔ اپنی خواہشات کو منظم کریں اور اپنے مقصد کے تابع کریں اس طرح آپ جو کچھ بننا چاہتے ہیں وہ بننے کی صلاحیتیں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اگر آپ واضح طور پر اپنے مقصد سے آشنا ہو گئے تو سمجھ لیجیے کہ آپ کی کامیابی کے سفر کی ابتداء ہو گئی۔ کیونکہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم کس سمت میں بڑھ رہے ہیں۔ آیئے درست سمت کا تعین کریں۔

OO

درست سمت کا تعین

ان تین جملوں پر غور کریں۔ 1۔ ''میں خوشیاں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' 2۔ ''میں بہت زیادہ پیسہ کماؤں گا۔'' 3۔ میں کامیاب ہونا چاہتا ہوں۔'' ہر شخص اس قسم کے فقرے بولتا نظر آتا ہے لیکن یہ فقرے فقط خواہشات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مقصد کو بیان کرنے کے لیے کچھ اصول وضوابط واضح کرنا ضروری ہیں۔ غیر واضح مقصد آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی آپ اسے حاصل کر سکیں گے۔ مقصد کا تعین کرنے کے لیے درج ذیل شرائط سامنے رکھیے۔

پہلی شرط: آپ کا مقصد حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے۔ فرضی خیالات اور خواہشات مقصد نہیں کہلاتیں۔ خواہشات کی بھرمار سے آپ شیخ چلی تو بن سکتے ہیں لیکن کامیاب انسان نہیں۔

دوسری شرط: آپ کے مقاصد واضح اور قطعی (Define) ہوں۔ ان کو ماپا جا سکے۔ مثلاً ''مجھے اچھے نمبر حاصل کرنے ہیں'' ایک واضح اور قطعی گول کو بیان نہیں کر رہا لیکن ''مجھے 90 فیصد نمبر حاصل کرنے ہیں'' ایک مخصوص اور قطعی مقصد کو بیان کرتا ہے۔

تیسری شرط: آپ مقصد کو بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی بتا سکیں کہ آپ کو یہ کتنے وقت میں حاصل کرنا ہے۔ مثلاً

''مجھے بہت سے پیسے چاہئیں'' ایک غیر واضح اور غیر قطعی مقصد ہے جس کے

ساتھ وقت کا تعین بھی نہیں کیا گیا کہ آپ کو یہ مقصد کب حاصل کرنا ہے؟

جب کہ ''مجھے اس سال 20 لاکھ روپے کمانے ہیں'' ایک واضح قطعی اور Time Bound مقصد ہے۔

چوتھی شرط: آپ کے مقاصد آپ کے اپنے اختیار میں ہوں نہ کہ دوسروں کے۔ مثلاً ''میں اپنے بیٹے کو ڈاکٹر بناؤں گا'' یہ مقصد آپ سے زیادہ آپ کے بیٹے کے اختیار میں ہے اس لیے یہ فقط ایک خواہش ہے جو پوری ہو یا نہ ہو معلوم نہیں لیکن ''مجھے ڈاکٹر بننا ہے'' ایک ایسا مقصد (Goal) ہے جو 100% آپ کے اپنے اختیار میں ہے اور اسے آپ محنت سے حاصل کر سکتے ہیں۔

پانچویں شرط: آپ کے مقاصد بڑے ہوں چھوٹے ہدف آپ کی شخصیت کو چار چاند نہیں لگاتے یہ آپ کو عمل پر بھی نہیں ابھارتے بڑے مقاصد آپ کے اندر جوش و جذبہ بھر دیتے ہیں۔ لوگ صرف بل ادا کرنے، بچوں کی فیس ادا کرنے اور گھر چلانے کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے کام کرتے ہیں اس لیے وہ سرد جذبات کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص بہت سا پیسہ کمانے اور زندگی کو پرلطف بنانے کا سوچے تو وہ جذبے سے کام کرے گا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ

"Always Shoot the Moon"

طالب علم صرف پاس ہونے کے لیے پڑھائی کرتے ہیں حالانکہ انھیں ٹاپ کرنے کے لیے محنت کرنی چاہیے۔ یہ مقصد ان کے اندر ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کردے گا۔

چھٹی شرط: آپ کے مقاصد مثبت طرز فکر پر مبنی ہوں۔ مثلاً آپ بیماریوں سے بچنے کی بجائے صحت مند ہونے کا ہدف طے کریں۔

Anthony Robbins کہتا ہے کہ

''لوگ سست نہیں ہوتے ان کے مقاصد بے کار اور سست ہوتے

ہیں جوان کو جوش نہیں دلاتے اور وہ خود بے کار ہو جاتے ہیں۔"

بہت سے لوگ ان جہازوں کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں جنہیں انھوں نے کبھی سفر پر روانہ ہی نہیں کیا ہوتا۔ مقصد کو واضح، قطعی، حقیقی طور پر بیان کیے بغیر اور اس کے ساتھ وقت کی حد مقرر کیے بغیر آپ اُسے کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک Definite Goal بنانے سے آپ کو پتہ ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کرنا ہے؟ کس طرف جانا ہے؟ کہاں پہنچنا ہے؟ اور کب پہنچنا ہے؟ اس لیے آپ یقیناً کامیاب ہو جاتے ہیں۔

Napoleon Hill کہتا ہے کہ:

"انسانی ذہن جو کچھ بھی واضح طور پر سوچ سکتا ہے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

ماہرین کہتے ہیں کہ ایک ایسا راز ہے جو ہر انسان کی زندگی کا راستہ بدل سکتا ہے خواہ اس کی عمر کتنی اور ماحول کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ راز ہے "واضح مقصد کا تعین کرنا" مقصد منتخب کرنے کے بعد آپ ایک مختلف انسان بن جاتے ہیں۔ آپ کی سوچ، کاوشیں، محنت، جستجو اور لگن سب آپ کے مقصد کے زیرِ تابع ہو جاتے ہیں۔ آپ کی تمام توانائی ایک ہدف کو حاصل کرنے میں صرف ہوتی ہے اور آپ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

جب آپ ان شرائط کی مدد سے مقاصد منتخب کر لیں تو ان کو کسی کاغذ پر صاف الفاظ میں لکھ لیں اور لکھنے کے بعد اپنے آپ سے عہد کریں کہ آپ نے ان کو حاصل کرنا ہے دوسرے الفاظ میں آپ انھیں جب کاغذ پر منتقل کرتے ہیں تو یہ حقیقت کا روپ دھارنے لگتے ہیں۔ اہداف کا واضح طور پر تعین آپ کے وقت کو بچاتا ہے اور آپ کی کامیابی کو یقینی بناتا ہے۔ جن لوگوں کے سفر کی منزل نہیں ہوتی اور جو اپنی زندگی کو کسی مقصد کے تحت نہیں گزارتے وہ لوگ عموماً بھٹک جاتے ہیں اور کامیاب نہیں ہوتے۔

اب ہم زندگی کے مختلف شعبوں کی کامیابی کے متعلق بات کرتے ہیں جن میں توازن حاصل کر کے آپ غیر معمولی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

زندگی کے تمام شعبوں میں توازن ہی حقیقی کامیابی ہے

بظاہر کامیاب نظر آنے والے بے شمار لوگ بہت ناکام ہوتے ہیں ان کے پاس پیسے کی فراوانی، جائیداد، طاقت، عزت، سماجی مقام و مرتبہ اور ہر طرح کی سہولیات موجود ہوتی ہیں لیکن وہ پھر بھی مایوسی اور بے سکونی والی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ اصل کامیابی کا بہترین انعام دو احساسات کی شکل میں محسوس ہوتا ہے ایک اندرونی سکون کا احساس اور دوسرا اپنی قدر و قیمت کا احساس۔ لوگ پیسے کو مقصد بنا کر یہ بھول جاتے ہیں کہ پیسہ ان احساسات کو نہیں خرید سکتا اور ان احساسات کے بغیر آپ تمام آسائشوں کی موجودگی کے باوجود بھی ناکام شخص ہیں۔ بے شمار مصروف لوگ جب صبح کام پر جاتے ہیں تو بچے سکول جا چکے ہوتے ہیں اور جب رات کو گھر آتے ہیں تو بچے سو چکے ہوتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو ہماری اصل دولت ہے اس کے لیے ہمارے پاس کوئی وقت نہیں ہوتا۔ در حقیقت ہم لوگوں نے اپنی زندگی میں مقاصد کو مختلف شعبوں کے حوالے سے متوازن نہیں کیا ہوتا۔

کئی لوگ دین اور عبادت کی طرف اس طرح راغب ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذمہ داریوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں وہ فقط تبلیغ کو عبادت سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بیوی بچوں کو محنت سے حلال رزق کما کر کھلانا بذات خود بہت بڑی عبادت ہے۔ یہ لوگ اپنی

آخرت بناتے بناتے اپنی دنیا اجاڑ لیتے ہیں۔ اپنی حقیقی ذمہ داریوں کو نظرانداز کرنا بھی فرار کا ایک رستہ ہے۔ دنیا کے کاموں میں اگر آپ کی نیت اچھی ہے تو آپ نیکی کر رہے ہیں۔ چاہے آپ دکان پر بیٹھے ہوں، دفتر میں موجود ہوں، پڑھا رہے ہوں یا پڑھ رہے ہوں، دین اور دنیا الگ الگ نہیں ہیں بلکہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا میں ہر وہ کام جو آپ اچھی نیت سے کر رہے ہیں آخرت میں اُس کا صلہ پائیں گے۔ اس لیے صرف عبادت میں گم ہو جانا ایک غیر متوازن زندگی کی علامت ہے اس لیے آپ اپنے کام کو عبادت بنائیں۔

ہمارے نوجوانوں کی بڑی تعداد مختلف کھیلوں کے حوالے سے بہت جذباتی نظریات رکھتی ہے۔ کرکٹ کھیلنے والے سکولوں اور کالجوں کے نوجوان گرمیوں کی تیز دھوپ میں کرکٹ کھیل کے اپنا رنگ کالا کر رہے ہوتے ہیں اور تعلیم کا ستیاناس کر کے اپنا مستقبل بھی تاریک کر لیتے ہیں۔ ہر نوجوان عمران خان نہیں بن جاتا ہر کوئی گیند کو میاں داد کی طرح سٹیڈیم سے باہر نہیں پھینک سکتا۔ باڈی بلڈر حضرات اپنے جسم کی خوبصورتی پر سرمایہ اور وقت برباد کر دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کھیل کے لیے بھی انسان کو "ڈیلہ" ہونا چاہیے۔ صرف کھیل اور میچ ہی زندگی نہیں۔

اسلام پیسے کمانے کو بُرا نہیں سمجھتا لیکن پیسے کی محبت کو بُرا ضرور کہتا ہے۔ لوگ پیسے کماتے ہوئے اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے بیوی، بچے، صحت، سکون اور رشتے دار کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ وہ زندگی کو دو جمع دو چار بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ صرف پیسہ کامیابی نہیں۔ بڑے بڑے سیٹھ پیسے کی فراوانی کے باوجود چار چار بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پیسے کے لالچ سے انسان کی عمر میں برکت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے تو امیروں کو رات کو سکون کی نیند کے لیے دوائیاں نہ کھانا پڑتیں۔

پڑھے لکھے طبقے کے بہت افراد فقط کتابیں پڑھنے کو زندگی کی کامیابی سمجھ بیٹھے

ہیں۔ اچھا حافظہ اور ذہانت رکھنے والے بے شمار نوجوانوں کی شخصیت کتابوں کے بوجھ تلے اتنی دبی ہوتی ہے کہ عملی زندگی میں وہ ہیرو کی بجائے زیرو ہوتے ہیں۔ کلاسز میں دیکھا گیا ہے کہ عموماً بہت زیادہ کتابی کیڑے کے دوست اور تعلقات بہت کم ہوتے ہیں ایسے نوجوان سماجی لحاظ سے بیمار ہوتے ہیں۔ ڈگریوں کے پلندے اور میڈلز بھی ان کو عملی زندگی میں ایک کامیاب شخص کی حیثیت نہیں دے پاتے۔

ہمارے کئی محترم دوستوں کو سماجی کارکن بننے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کے کام کروانے کے لیے بھاگتے پھرتے ہیں۔ ان کی لاتعداد دوستیاں ہوتی ہیں۔ لیکن ایک بھی دوست نہیں ہوتا۔ یہ لوگ دوسروں کی زندگی بناتے بناتے اپنی زندگی کو ناکام کر لیتے ہیں۔ ان کے پاس اپنے خاندان کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا۔ غیر منظم شخصیت کے باعث یہ زندگی کے آخری ایام لوگوں کی بے وفائی کے تذکروں اور غربت سے مقابلہ کر کے گزارتے ہیں۔

اگر آپ کے مقاصد اور اہداف صرف ایک شعبہ کے حوالے سے ہیں تو آپ ناکام اور غیر منظم شخصیت کے مالک بن جائیں گے۔ زندگی کے اہم ترین شعبہ جات یہ ہیں:

1۔ مالیات (Financial) 2۔ صحت (Health)

3۔ خاندان (Family) 4۔ کیریئر

5۔ سروس یا خدمت 6۔ آپ کی اپنی ذات (Self)

7۔ دین اور روحانیت

اگر آپ ان میں توازن برقرار نہیں رکھیں گے تو آپ حقیقی کامیابی کے مفہوم سے آگاہ نہیں ہو پائیں گے۔ ان میں سے کسی بھی شعبے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پیسہ کمانا اور دولت کا ہونا بہت ضروری ہے لیکن پیسہ سب کچھ نہیں۔ صحت قائم نہیں رہتی تو ساری کامیابیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ آپ کا بہترین اور خوبصورت وقت وہ ہے جو

آپ اپنی فیملی کے ساتھ گزارتے ہیں۔ آپ پر سب سے زیادہ حق فیملی کا ہے۔ پسندیدہ پیشہ (Career) منتخب کیے بغیر آپ قید با مشقت کاٹیں گے۔ اس لیے یہ بھی زندگی کا بہت اہم شعبہ ہے۔ آپ کی دولت اور کامیابی کسی کام کی نہیں اگر یہ دوسروں کی مدد اور آسانی کے لیے استعمال نہیں ہو رہی۔ اس لیے خدمت کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ بہت قیمتی انسان ہیں سب کچھ آپ کے اپنے دم سے ہے اس لیے آپ کو آرام کی ضرورت ہے اور تفریح کی بھی۔ آپ اپنے جسم کو توانائی فراہم کرنے کے لیے اچھی خوراک کھا سکتے ہیں اور ذہن کو طاقت دینے کے لیے اچھی کتاب پڑھ سکتے ہیں۔ آخر میں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ آپ کے تمام شعبوں کی کامیابیاں کسی کام کی نہیں جب آپ کا مالک (اللہ تعالیٰ) ہی آپ سے راضی نہیں۔ اپنی کامیابی کے لیے اُسی مالک کو سب سے بڑا مانتے ہوئے اس سے دعا کریں اور جب کامیابی مل جائے تو اُس مالک کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت کریں۔ ان تمام شعبوں کا توازن ہی ہمیں اندرونی سکون کا احساس اور حقیقی خوشی سے آشنا کروائے گا۔

OO

کامیابی اور خوشحالی حاصل کرنے سے پہلے

ہم چاہتے ہیں کہ پوری دنیا ہماری صلاحیتوں کو مانے۔ ہم ہر میدان میں فتح کا جھنڈا گاڑیں اور ہر خاص و عام میں ہماری شہرت ہو۔ لوگ ہمیں عزت دیں۔ ہم معاشرے کے لیے ایک اہم فرد ہوں۔ گھر سے لے کر شہر کے تمام افراد ہماری تعریف کریں اور ہمارا نام تاریخ کی کتابوں میں رقم ہو لیکن ان تمام خواہشات کو حاصل کرنا ناممکن لگتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمیں People Approval حاصل نہیں ہوتا۔ یہ جاننے کے لیے آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور خود اپنے آپ سے پوچھیں کہ کیا آپ واقعی ہی اس قابل ہیں کہ پوری دنیا آپ کے قدموں تلے ہو؟ یقین فرمایئے کہ اگر آپ سچ بولیں تو آپ کا جواب ''نہیں'' ہوگا۔ اب آپ خود بتائیں کہ اگر آپ خود اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ آپ کامیاب اور شہرت یافتہ (Reknown) ہونے کے قابل ہیں تو آپ کی یہ خواہش فقط خواہش ہی رہے گی کبھی حقیقت نہ بن پائے گی۔ کیونکہ کسی بھی کارنامے کے حوالے سے یہ یقین کہ ''میں یہ سرانجام نہیں دے سکتا ہوں۔'' آپ کو ہمیشہ ناکام کرتا ہے۔ اگر آپ کو خود پر یقین نہیں تو دنیا آپ پر کیسے یقین کرے گی۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ Self Approval کے بغیر People Approval حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اپنی ذات کو قابل احترام نہیں سمجھتے تو کوئی فرد آپ کی عزت نہیں کرے گا۔ آپ خود کو منفرد نہیں مانتے تو لوگوں میں آپ کی انفرادیت

بھی ظاہر نہیں ہوگی۔ اس لیے آپ کے اندر اپنی صلاحیتوں، اپنے کام اور اپنی کامیابی کے حوالے سے پختہ یقین ہونا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ

"Believe it, Achieve it"

کامیاب اور ناکام لوگوں کے عقائد، نظریات اور Belief میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ہمارے عقائد ہمارا لاشعوری انتخاب ہوتے ہیں۔ یہ ہماری زندگی کے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

ہمارے عقائد ہماری سوچ اور عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کو بدلے بغیر کچھ بھی بدلنا ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک دن میں نہیں بنتے بلکہ کئی سالوں کے واقعات اور تجربات ان کو ایک بڑے پہاڑ کی مانند مضبوط بنا دیتے ہیں۔ اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ کامیابی محنت سے نہیں قسمت سے ملتی ہے تو آپ محنت کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے، قسمت کا انتظار کرتے ہوئے عمر گنوا دیں گے اور یہ ایک یقین آپ کو ناکام کر دے گا۔

ہمارے عقائد اُن لوگوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن سے ہم بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ایک کامیاب انسان کے عقائد بہت پختہ اور پیداواری Produtive ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ دوسروں سے جلدی کامیابی کی تمام منازل طے کر جاتا ہے۔ عقائد کو Commanding Power بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ آپ کی ذہنی اور جذباتی حالت کو سنبھالنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ آپ کے عقائد بننے میں درج ذیل محرکات کا عمل دخل ہوتا ہے۔

1۔ ابتدائی ماحول: بچہ جو کچھ دیکھتا ہے اس پر یقین کر لیتا ہے ایک بچے کے پاس درست انتخاب کی صلاحیت نہیں ہوتی اسی لیے اس کو فراہم کردہ ماحول اس کے نظریات اور عقائد بنانے میں اپنا حصہ ڈال دیتا ہے۔

2۔ والدین اور رشتے دار: والدین کا کردار بچے کی شخصیت اور نظریات کا لازمی جزو بن جاتا ہے۔ بے شمار والدین اپنے بچے کو نااہل سمجھتے ہیں اس لیے وہ بار بار اس

کو احمق، بے وقوف، نالائق اور ناسمجھ کہہ کر اس کے اندر یہ یقین پختہ کر دیتے ہیں کہ وہ احمق اور نالائق ہی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچے کو محبت دیں اور تنقید کا نشانہ نہ بنائیں۔

3۔ میڈیا آپ جو کچھ بار بار سنتے ہیں اُس پر آپ کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ میڈیا (T.V,Radio,Newspaper) آپ کے عقائد بنانے والا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کا میڈیا صرف تفریح (Entertainment) فراہم کر رہا ہے یا سیاسی تبصرے جسکی وجہ سے نوجوانوں کی شخصیت سازی کا عمل نہیں ہو رہا۔ میڈیا کے شعبے نے ابھی اصل مشن کو ٹارگٹ نہیں بنایا جس میں نوجوانوں کی Personality Development اور کامیابی کے نظریات اور افکار کا پرچار شامل ہے۔

4۔ دوست احباب: آپ کے قریبی لوگ آپ کے نظریات اور عقائد پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ آپ کا اُن سے اعتماد کا رشتہ بنا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ان کی باتوں کو جانچے بغیر درست مان لیتے ہیں۔

5۔ اشتہارات: آپ کی ذات سے متعلق لاتعداد فرسودہ اور بے ہودہ عقائد اُن اشتہارات کی وجہ سے بن جاتے ہیں جن کو آپ روز پڑھتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال نیم حکیم اور عامل باووں کے اشتہارات ہیں جو ہر اخبار اور دیوار کی زینت بنے ہوئے ہیں اور ان کی تباہ کاری یہ ہے کہ ہمارے ملک کا ہر نوجوان خود کو کمزور و ناتواں سمجھتا ہے اور ہر دوسری عورت کا اس بات پر یقین مستحکم ہو چکا ہے کہ مجھ پر جادو کیا گیا ہے۔

6۔ واقعات، تجربات اور حادثات: ہماری زندگی کے تمام واقعات پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ واقعہ جس کو آپ اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں یا کسی کی زبانی سنتے ہیں اُس کے نتیجے پر آپ کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

7۔ اساتذہ: آپ کی کامیابی میں بہت بڑا کردار آپ کے اُستاد، گرو، مرشد، رہبر اور Mentor کا ہے کیونکہ آپ جس کو Ideal مانتے ہیں اُس کی بتائی ہوئی بات آپ کے لیے سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر اُستاد نالائق بچے میں فقط یہ یقین پیدا کردے کہ وہ لائق ہوسکتا ہے تو بچے کی تقدیر بدل جاتی ہے۔

زیادہ تر لوگ بینائی کی بجائے اعتماد اور یقین کے سہارے چلتے ہیں آپ کا یقین ہی روشنی دکھانے والا نہ ہو تو تاریکی آپ کا مقدر بن سکتی ہے۔

آج کے دور کی خوش قسمتی دیکھئے کہ ماہرین کی ریسرچ اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ آپ اپنے عقائد، نظریات اور Beliefs کا شعوری انتخاب کر سکتے ہیں۔ کامیابی اور خوشحالی حاصل کرنے سے پہلے آپ کو اُن بہترین نظریات اور عقائد کا انتخاب کرنا پڑے گا جو آپ کی کامیابی کو یقینی بنائیں۔

OO

آپ کا اختیار... ماضی، حال یا مستقبل

ایک احمق جزیرے پر سیر کرنے چلا گیا۔ رات کے پچھلے پہر اُس کا گھر واپس جانے کو دل چاہا۔ وہ سامان کشتی میں رکھتا ہے اور چپو چلانے شروع کر دیتا ہے۔ چپو چلاتے چلاتے صبح ہو جاتی ہے اور وہ تھکاوٹ سے چکنا چور ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے سامنے دیکھتا ہے تو بہت حیران ہوتا ہے کہ منزل کا دُور دُور تک کوئی نشان موجود نہیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو اُس کے اوسان خطاء ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ کشتی سے بندھی رسی کو کھولے بغیر ساری رات چپو چلاتا رہا تھا اور کشتی اپنی جگہ سے دو انچ کا فاصلہ بھی طے نہیں کر سکی تھی۔ اس مثال کی مانند بے شمار لوگ ماضی کے واقعات، تلخیوں اور ناانصافیوں کا سوچتے رہتے ہیں اور اُن کی زندگی کی کشتی اپنی جگہ ہی پڑی رہتی ہے۔ وہ ماضی سے بندھی ہوئی رسی کو نہیں کاٹتے اس لیے ماضی بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ آپ خود بتایئے کہ اگر کسی شخص نے آگے بڑھنا ہو اور وہ منزل کی طرف کر کر کے اُلٹے قدم چلنا شروع ہو جائے تو کیا وہ منزل تک پہنچ جائے گا؟ کبھی نہیں۔

ماضی آپ کو کچھ سبق سکھانے آیا تھا تا کہ آپ اُن تجربات کے نتائج کو یاد رکھتے ہوئے آگے بڑھ سکیں۔ ہم کسی بھی طاقت کے ذریعے ماضی کو نہیں بدل سکتے۔ گئے دن پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ ہاں ایک چیز ممکن ہے کہ ہم ماضی کی غیر ضروری یادوں اور تلخ تجربات کو بھلا دیں، ان کے مطابق نہ سوچیں اور نہ ہی ان کے متعلق باتیں

کریں۔ زندگی کے ابتدائی ایام کی غلطیاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ یہ ہمیں ذہنی اور جذباتی طور پر پختہ کر دیتی ہیں۔

اسی طرح کئی لوگ مستقبل کے خوابوں میں گم رہتے ہیں۔ مستقبل کی ابھی کوئی حقیقت نہیں، کل کس نے دیکھا ہے۔ کل کی فکر نہ کریں۔ کل جب آئے گا تب دیکھا جائے گا۔ آپ کی اصل دولت "آج" ہے۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ وقت (حال) کیوں کہ آپ حال کو بدل کر اپنے مستقبل کو شاندار بنا سکتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب یہ وقت ختم ہو جائے گا۔ آنے والے وقت کو متاثر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ حال میں جینا سیکھیں۔ واصف علی واصف فرماتے ہیں۔

"جس نے جوانی میں اپنے مستقبل کا خیال رکھا،
اسے بڑھاپے میں حسرتوں کا شمار کم ہی کرنا پڑتا ہے"

ہر لمحہ، ہر دن اور ہر سال آپ کو اللہ حافظ کہہ رہا ہے۔ اہم بات یہ نہیں ہوتی کہ آپ کتنے پل اور کتنے لمحات زندہ رہے ہیں بلکہ اہم یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کتنے لمحات اور پلوں میں زندگی بھر دی ہے اور ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ سب سے قیمتی موجودہ لمحات ہیں۔ حال میں رہتے ہوئے محنت اور کوشش کریں آپ کا مستقبل تابناک ہو جائے گا۔ ماضی یاد ہے اور مستقبل خواب، صرف حال ہی حقیقت ہے۔ حال آپ کی توجہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ عقل مند ماضی کا ماتم کرتا ہے نہ مستقبل کی فکر بلکہ وہ حال کو نکھارتا ہے اس لیے وہ بے خوف ہو کر جیتا ہے۔ بے فکری بھی ایک نعمت سے کم نہیں۔

لوگ کام کرتے ہوئے دماغی طور پر غیر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ ماضی کی یادوں میں گم ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے کام کو پوری توجہ نہیں ملتی اور وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے، گاڑی چلاتے ہوئے، سیر و تفریح کے مقامات پر اور فیملی کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے لوگ ذہنی طور پر ماضی کی پریشانیوں یا مستقبل کے اندیشوں میں

غرق ہوئے ہوتے ہیں اس لیے وہ زندگی سے صحیح طور پر لطف اندوز نہیں ہوتے۔ اداس بندے سے بات چیت کرکے آپ خود بھی اُداس ہو جاتے ہیں۔ اداسی اور ناامیدی ذہن کی توانائی کو بکھیر دیتی ہے۔ پرسکون حالت میں ذہن زیادہ توانا ہوتا ہے۔ انسان پُرسکون تب ہی ہوتا ہے جب وہ حال میں رہنا سیکھتا ہے۔ دنیا کے تمام روحانی سکول حال میں رہنے کی تبلیغ کرتے ہیں کیونکہ اس طرح آپ اپنی صلاحیتوں سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مستقبل کی پریشانیوں کو دور بھگا دیں۔ آج میں رہنا سیکھیں اور قناعت کرتے ہوئے زندگی گزاریں یاد رکھیں ہمارے پاس جو کچھ ہے اس پر قانع ہونا درست ہے لیکن ہم جو کچھ ہیں اس پر قناعت کرنا ہرگز درست نہیں۔ ماضی اور مستقبل سے بے نیاز ہو کر کام کریں۔ آج کو بہتر کریں کل خود بخود بہترین ملے گا۔ وہ مالک جس نے آپ کو کل رزق دیا اور آج بھی آپ کو رزق دے رہا ہے وہ یقیناً آئندہ بھی آپ کو رزق فراہم کرتا رہے گا اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صبر کا دامن پکڑ کر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ سکھ حاصل کرنے کے لیے مطمئن رہیے، آج میں جینا سیکھیے کیونکہ اطمینان سب سے بڑی دولت ہے۔ کل جو پھول کھلیں گے ان کے بیج آج آپ کے ہاتھ میں ہیں اس لیے آج ہی اُن کو بو دیجیے۔ آپ کو "کل" شاندار ملے گا۔ گوتم بدھ کہتا ہے کہ

"ہمارے مستقبل کا دار و مدار ہمارے آج کے خیالات اور اعمال پر ہے"

جب تک آپ روشن اور قابل رشک مستقبل کے لیے سچے دل سے محنت نہیں کرتے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ معجزات کا انتظار نہ کیجیے۔ زندگی عمل سے بنتی ہے معجزات سے نہیں۔ اپنے مستقبل کو جنت نظیر بنائیے اور آج سے محنت شروع کیجیے۔

OO

بڑی کامیابی کی قیمت (پہلا حصہ)

بہت سے لوگ اپنی باتوں کی وضاحت کے لیے کئی بڑی شخصیات کی مثال دیتے ہیں لکھاری اپنی تحریر میں جان ڈالنے کے لیے بڑے بڑے معتبر ناموں کی مثال دیتے ہیں۔ کسی نظریے کی وکالت کے لیے دلائل کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لیے کئی عظیم ہستیوں کے ناموں کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ مثال دینے والے بے شمار ہوتے ہیں اور مثال بننے والے بہت کم۔ یہ زندگی اور اس زندگی کے مسائل سب کے لیے یکساں ہیں۔

صاحب دانش دوسروں کے تجربات اور غور وفکر سے فہم ودانش کے گہرے موتی نکال لیتے ہیں اور عام انسان زندگی کے مسائل، پریشانیوں، مشکلات اور رکاوٹوں کی نظر ہو کر گمنام ہی چلا جاتا ہے۔ کہتے ہیں بارش کے قطرے سب جگہ یکساں پڑتے ہیں لیکن نتائج مختلف نکلتے ہیں۔ کوئی بارش کا قطرہ اگر تالاب میں جا گرا تو تالاب کا حصہ بن گیا کوئی قطرہ اگر سمندر سے واصل ہوا تو سمندر بن گیا کوئی قطرہ اگر بنجر زمین پر گرا تو زمین پھر بھی بنجر رہی دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے۔ کوئی خوش نصیب قطرہ اگر زرخیز زمین پر گرا تو کھیتیاں لہلہانے لگیں لوگوں کو اناج ملنے لگا۔ یہی بارش کا کوئی قطرہ اگر سانپ کے منہ میں جا گرا تو زہر بن گیا۔ اور کوئی بہت ہی خوش نصیب قطرہ اگر سیپی کے منہ میں جا گرا تو موتی بن گیا۔ بارش ایک ہی ہے پانی ایک ہی ہے مگر بارش کا پانی وصول

کرنے کے بعد خوشگوار نتیجہ اپنا اپنا نصیب ہے۔

آج ہر نوجوان زندگی میں بڑی بڑی خواہشات لیے چلتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ صرف خواہش سے بات نہیں بنتی بلکہ کہا جاتا ہے کہ بڑی کامیابی کی قیمت کے دو ہی حصے ہوتے ہیں۔ اور دونوں حصوں کو پیشگی ادا کرنا پڑتا ہے ایک کامیابی کے لیے شدید خواہش یا جنون دوسرا سخت محنت اگر کسی کے پاس ذہانت کی انتہا بھی ہو لیکن اگر وہ کچھ کرنے کی شدید خواہش نہیں رکھتا تو وہ کچھ نہیں پا سکتا۔ دنیا کا تیز ترین اُڑنے والا سُپر سانک جہاز بھی بغیر ایندھن (Fuel) کے نہیں چل سکتا۔ بالکل اسی طرح کامیابی کا ایندھن بھی خواہش ہے۔ لہو گرم رکھنے کے لیے جھپٹنا پلٹنا اور پلٹ کے جھپٹنا پڑتا ہے کاتب تقدیر بھی کامیابی اُن کے مقدر میں لکھتا ہے جو کشتیاں جلا کر سفر کرتے ہیں۔ کچھ بن جانے کا جذبہ اُن کو چین نہیں لینے دیتا۔

ایک دفعہ سقراط کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ایک عجیب سوال کیا کہ ”آپ کے پاس اتنا علم ہے لوگ آپ کو ”پیغمبر عقل و خرد“ کہتے ہیں اور دنیا آپ کی دیوانی ہے“ یہ سارا علم یہ دانائی یہ فہم و فراست اور یہ عقل آپ نے کہاں سے پائی؟ تو سقراط نے کہا چل میرے ساتھ دریا پر کیونکہ اس سوال کا جواب میں تجھے دریا پر ہی پیش کر دے سکتا ہوں۔ وہ شخص اور سقراط دریا پر پہنچے۔ سقراط نے کہا اس پانی کو غور سے دیکھ اس میں تیرے سوال کا جواب ہے وہ شخص غور سے پانی کی سطح کا مطالعہ کرنے لگا لیکن کچھ سمجھ نہ آیا وہ بولا مجھے تو کوئی جواب نہیں ملا تو سقراط نے کہا اور غور سے دیکھ جواب صاف نظر آرہا ہے۔ اس نے آنکھیں اور پانی کے قریب کر دیں اس کے ساتھ ہی سقراط نے اس کا سر زور سے پکڑ کر پانی میں ڈبو دیا۔ اس شخص کو بہت غوطے آئے اور اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن سقراط نے اس کا سر نہ چھوڑا جب وہ مرنے کے قریب تھا تو سقراط نے اس کے سر کو باہر نکال دیا اور کہا اب تمہیں سمجھ آئی؟ وہ شخص چیخا کہ آپ تو مجھے مارنے لگے تھے سقراط بولا میں نے تو تجھے تیرے سوال کا جواب دیا تھا۔ وہ شخص بولا

آپ غلط کہہ رہے ہیں آپ تو مجھے مارنے لگے تھے سقراط نے کہا اچھا مجھے یہ بتا جب تیرا
سر پانی میں ڈوبا ہوا تھا تو تیری سب سے بڑی خواہش کیا تھی تو وہ بولا یہ کہ میں زندہ بچ
جاؤں۔ سقراط بولا جس طرح ایک مرنے والے کے پاس صرف ایک خواہش ہوتی ہے
کہ میں بچ جاؤں بالکل اس طرح میری ہر لمحے خواہش ہوتی ہے کہ میں مزید علم سیکھ
لوں اسی شدید خواہش کے بدلے علم و دانش اور فہم و فراست میری گھر کی باندی ہے۔

OO

بڑی کامیابی کی قیمت (دوسرا حصہ)

انسان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق ہے۔ بظاہر تمام
انسان ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں سب کے جسم کے اعضاء ایک جیسے ہیں لیکن ہر ایک
انسان کا مزاج دوسرے سے جدا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے تجربات و مشاہدات کی بنا پر
اپنے تصور کی آنکھوں سے دنیا کو مختلف انداز سے دیکھتا ہے۔ ایک فرد جو محسوس کرتا ہے
اسی کو وہ حقیقت سمجھتا ہے دوسرے کا احساس بھی جدا اور حقیقت بھی الگ۔ کہا جاتا ہے
کہ یہ دنیا مسائل اور پریشانیوں کی آماج گاہ ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ دنیا ایک میلہ ہے اور
اس میلے میں ہر کوئی اکیلا ہے۔ کسی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دنیا بے رحم اور بے وفا ہے کوئی
مانتا ہے کہ دنیا نے کسی کو کچھ نہ دیا۔ کسی کا یقین ہے کہ یہ دنیا خوبصورت خوشیوں بھرا ایک
باغ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے کیونکہ ہر کسی کا تجربہ اور احساس جدا ہے
اس لیے ہر ایک کے لیے حقیقت بھی مختلف ہے۔

دنیا کے انتہائی کامیاب لوگوں پر کی جانے والی ریسرچ سے یہ بات سامنے آئی
ہے کہ لوگ اس دنیا کے مسائل اور رستے کی رکاوٹوں کے حوالے سے بالکل الگ تھلگ
یقین اور خیال کے مالک ہوتے ہیں یہ لوگ جانتے ہیں کہ ناکامی دراصل تسلسل برقرار
نہ رکھنے کی وجہ سے آتی ہے۔ یہ لوگ زندگی کا ایک واضح مقصد منتخب کرنے کے بعد
استقامت اور مستقل مزاجی کے ساتھ محنت شروع کر دیتے ہیں۔ کامیاب لوگ

جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی حتیٰ کہ بھیک کے لیے بھی اپنی عزت نفس مجروح کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح کامیابی بھی مفت نہیں ملتی اس کے لیے بھی آپ کو اس کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس قیمت کا پہلا حصہ وہ جنون ہے جو آپ کو چین نہیں لینے دیتا اور کامیابی کی قیمت کا دوسرا حصہ وہ سخت محنت ہے جو آپ استقامت کے ساتھ منزل کو پانے کے لیے کرتے ہو۔ ماہرین کے مطابق اکثر لوگ باصلاحیت ہوتے ہیں اور خدا نے ان کو کئی خوبیوں سے بھی نوازا ہوتا ہے لیکن وہ محنت کے عادی نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ محنت کرنے والے اور مستقل مزاج انسان کے پاس کامیابی کے زیادہ مواقع آتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جو ثابت قدم رہا خدا اس کے ساتھ ہے'' ناکامی یہ نہیں ہے کہ بہت سی مشکلات آپ کا راستہ روکے کھڑی ہیں ناکامی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کا سامنا کرنے کی ہمت کھو چکے ہیں اور میدان چھوڑ کے بھاگ رہے ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ

''محنتی کے سامنے پہاڑ کنکر ہے اور سست کے سامنے کنکر پہاڑ''

زیادہ بلندی پر جانے کے لیے بنیادوں کو مضبوط کرنا پڑتا ہے اور بنیادیں محنت اور مستقل مزاجی سے مضبوط ہوتی ہیں۔ آج تک دنیا کا کوئی ادارہ یا فرد قلیل مدتی ارتکاز سے کامیاب نہیں ہوا استقامت ہی کرامت پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت طاقتور بنایا ہے۔ انسان اگر ہمت کر کے کسی کام کی ٹھان لے تو اسے ضرور پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے انسان ناکام تب ہوتا ہے جب وہ خود کو ناکام سمجھ لیتا ہے محنتی لوگوں کے لیے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں آج نوجوان ایک دو بار کی ناکامی کے بعد ہمت ہار جاتے ہیں۔ حالانکہ لاتعداد ناکامیوں کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے اس لیے اگر آپ یہ یقین پختہ کر لو کہ کامیابی نے آنا ہی ناکامیوں کے بعد ہے تو مستقل مزاجی سے محنت کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔

زندگی دریا کی طرح گزارئیے جو ہر رکاوٹ کو دور کرتا ہوا نشیب و فراز سے گزرتا

ہوا چٹانوں اور پتھروں سے ٹکراتا ہوا اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ دریا اپنا رستہ خود بناتا ہے، آپ کو بھی اپنا رستہ خود بنانا چاہیے۔ مسائل کی چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے اپنے نصب العین کی طرف بڑھتے چلے جانا چاہیے۔ غور کیجئے کہ دریا کی رفتار ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی کبھی تند و تیز، کبھی آہستہ اور کبھی پر سکون لیکن اپنی منزل کی طرف رواں دواں آگے بڑھتے ہوئے رفتار کی پرواہ مت کیجئے کیونکہ بات رفتار کی نہیں بات صرف مستقل مزاجی سے محنت کی ہے۔ چلتے چلتے خرگوش کی طرح سومت جائیے ورنہ کوئی کچھوا آپ سے آگے نکل جائے گا۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ مقصد جتنا بڑا ہوتا ہے قربانیاں اتنی زیادہ دینا پڑتی ہیں محنت اتنی ہی زیادہ کرنا پڑتی ہے دنیا کو سکون اور امن کی دولت دینے والے لوگ خود درد اور غم کے صحرا میں بیٹھے ہیں۔ بڑے لوگ رات جاگتے ہیں محنت کرتے ہیں عام لوگ اسی وقت میں نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں آپ خود بتائیے دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور اس سے بڑا سچ کوئی نہیں کہ محنت تو گدڑیے کو بھی نادر شاہ اور تیمور لنگ کو شہنشاہ بنا دیتی ہے اصول یاد رکھیے کہ 8 گھنٹے کام کرنے سے زندگی کا گزر بسر ہو سکتا ہے کامیابی کے لیے 12 یا 14 گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے اتنی دیر وہی محنت کر سکتا ہے جو کامیابی کی شدید خواہش رکھتا ہے اور مستقل مزاج ہے۔

آج کی محنت کل کا سکون ہے اور جو آج مزے میں ہے اسے کل تکلیف دہ ملے گا۔ وہ صلاحیتیں جو انسان پیدائشی لے کر آتا ہے وہ بھی محنت اور ریاض سے نکھر کر سامنے آتی ہیں دنیا کے بڑے بڑے کھلاڑی، گلوکار، مقرر اور لیڈرز بھی کئی سالوں تک محنت، جدوجہد اور مشق کرتے رہے تب جا کر کامیابی نے ان کے قدم چومے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

"اس سے بڑا کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو محنت کرنے کا جذبہ عنایت کیا ہو۔"

یعنی محنت کرنا ہی کامیابی اور خوشحالی کے مترادف ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ محنت میں عظمت ہے اور عظمت مستقل مزاج انسان ہی کو ملتی ہے۔

OO

آپ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی کامیاب ہو سکتے ہیں

لاہور شہر کے مشہور علاقہ گوالمنڈی کی گلیوں میں ایک بی اے پاس نوجوان دوست احباب کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیاں لگانے میں مصروف ہوتا اور کبھی لاہوری کھانوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا لیکن کسی کو خبر نہیں تھی کہ وہ نوجوان اپنی محنت، بہترین اخلاق اور ہمدردی کے جذبے سے لبریز دل کے ساتھ آئندہ وقتوں میں پاکستان کا دو مرتبہ وزیر اعظم بنے گا۔ پورا ملک اس کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھے گا اور وہ ایک طویل جلاوطنی کے باوجود بھی عوام کے دل کی دھڑکن بنا رہے گا۔ بے شمار غریبوں کو آسانیوں سے نوازے گا اور لوگ اُسی نواز شریف کے نعرے لگائیں گے۔

نوجوان اپنے پورے تعلیمی Career میں بہت اعلیٰ نمبر اور پوزیشن حاصل نہیں کر سکا لیکن اُس کے دل میں ایک خواہش جنون بن کر انگڑائیاں لے رہی تھی کہ میں نے اپنے ملک پاکستان کے لیے کچھ کرنا ہے۔ آخر اُس کا جذبہ رنگ لے آیا اور اُس نے ہمارے ملک کو ایٹمی طاقت بنانے کے خواب کو پورا کر دکھایا۔ پاکستان کی تاریخ میں اُس نوجوان سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نام کبھی نہیں مٹ سکتا۔ لوگ ہمیشہ انہیں محسن پاکستان کی حیثیت سے جانیں گے۔

کراچی کے مختلف بازاروں میں ایک بچہ گولیاں ٹافیاں بیچا کرتا تھا۔ غربت کے عالم

کو منانے کے لیے اُس نے بہت محنت کی لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کو ایک بہت بڑے مشن کی تکمیل کے لیے بھیجا تھا۔ اُس کے پاس ہر انسان کے لیے ہمدردی اور محبت تھی۔ دوسروں کی بے لوث مدد کرنے سے اُس کی روح کو چین ملتا تھا۔ اُس کی محنت ایک دن رنگ لے آئی اور وہ دنیا کا سب سے بڑا ایمبولینس موبائل سسٹم بنانے میں کامیاب ہو گیا اُس کا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی درج ہوا اور اُس کی محنت اور ہمت کی بدولت ''ایدھی'' نام کا ایک بڑا فلاحی ادارہ پورے ملک میں سرگرمِ عمل ہو گیا۔ ہم سب محترم عبدالستار ایدھی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ وہ انسانیت کے لیے اتنی خدمت کر رہے ہیں۔

اُسے بچپن سے ہی پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن گھر کے حالات اُس کی پڑھائی میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ والد صاحب ایک مزدور تھے اس لیے وہ اُس کے تعلیمی اخراجات کو برداشت نہ کر سکے۔ آخر اُس نے دودھ بیچنا شروع کر دیا اور تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ دودھ بیچنے کا سلسلہ کالج تک جاری رہا۔ اُس کی استقامت اور محنت رنگ لے آئی۔ وہ ایک کامیاب وکیل اور سیاستدان بن گیا۔ کامیابی کا یہ سلسلہ یہیں نہیں رُکا بلکہ دودھ بیچنے والا نوجوان پاکستان کی مختلف وزارتوں اور عہدوں پر فائز رہنے کے بعد آخر کار اس ملک کا وزیر اعظم بنا۔ ملک معراج خالد اتنے بڑے عہدوں کو حاصل کرنے کے باوجود بھی سادگی اور سخاوت کو ساری زندگی نہ چھوڑ سکے۔

میاں شریف صاحب جب امرتسر سے لاہور تشریف لائے تو مزدوری کو ذریعہ معاش بنانا پڑا۔ وہ سارا دن ایک بھٹی پر لوہا کوٹتے لیکن اُن کے اندر آگے بڑھنے کی تڑپ موجود تھی۔ دن رات کی محنت اور بہترین پلاننگ کی وجہ سے وہ ایک فاؤنڈری لگانے میں کامیاب ہو گئے لیکن سفر یہاں نہ رکا۔ وہی مزدور جب دنیا سے جانے لگا تو وہ [illegible] کارخانوں کا مالک اور بے شمار فلاحی اداروں کو امداد فراہم کر رہا تھا۔

میاں منشاء خود اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہیں لیکن پاکستان کے ایک بڑے ادارے کے
سربراہ ہیں اور ان کے ادارے میں ہزاروں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ملازمت کر رہے ہیں۔
اسی طرح ملک ریاض (بحریہ ٹاؤن والے) زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن اُن کا شمار
پاکستان کے امیر ترین افراد میں ہوتا ہے۔

احسان دانش نے اینٹیں اُٹھا کر اپنا پیٹ پالنا شروع کیا لیکن اُن کے اندر شاعری
کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آخر ایک دن ایسا آیا کہ جس یونیورسٹی کی دیواروں کی اینٹیں
انھوں نے خود اُٹھائی تھیں اُسی یونیورسٹی کی چھت تلے اُن کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔
ملک واصف علی صاحب نے انگلش ٹیچر کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ ایک
پرائیویٹ ادارہ ”لاہور انگلش کالج“ بنایا لیکن اپنی جہدِ مسلسل، حب الوطنی، دین دوستی
اور باکمال شخصیت کی وجہ سے آج اُن کے لاکھوں چاہنے اور ماننے والے موجود ہیں۔
دنیا گواہ ہے کہ حضرت واصف کی تحریروں نے لاکھوں لوگوں کی زندگی بدلی۔

جاوید چوہدری لالہ موسیٰ کے ایک انتہائی پسماندہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اپنی
تعلیم پوری کرنے کے بعد شعبہ صحافت سے وابستہ ہو گئے کالموں کا سلسلہ شروع ہوا تو
انھوں نے اپنے کالموں کو اتنے منفرد انداز میں لکھا کہ آج وہ پاکستان کے نامور ترین
کالم نگار ہیں اور ان کی کتاب ”زیرو پوائنٹ“ کے لاتعداد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

گلی محلوں اور پارکوں میں کھیلنے والا شعیب اختر جسمانی اور نفسیاتی بیماری کے
باوجود محنت سے اپنی دنیا بناتا ہے اور ایک دن ایسا آتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بیٹس
مینوں کی وکٹیں اس کی گیند کی تیزی سے اُڑ جاتی ہیں۔

یہ ہمارے ملک میں کامیاب ہونے والے چند لوگوں کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔
اگر ان تمام کامیاب ہونے والوں کے متعلق تفصیلاً لکھا جائے تو کئی کتابیں بھر جائیں۔
یہاں ہم یہ سبق سکھانا چاہتے ہیں کہ کامیابی حاصل کرنے والا ہر جگہ کامیاب ہو سکتا
ہے کیونکہ اس نے خود اپنی دنیا بنانے کا عزم کیا ہوتا ہے جبکہ ناکام بدترین حالات اور

وسائل کے باوجود بھی ناکام ہی رہتا ہے۔ بے شمار نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ باہر کے ممالک میں زیادہ مواقع ہیں یہ سچ نہیں کیونکہ مواقع صرف محنتی کے لیے ہوتے ہیں، کاہل اور سست کے لیے کوئی موقع اہم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بے شمار نوجوان امریکہ برطانیہ اور دوسرے ممالک میں اپنی زندگی بدلنے کے عزم لے کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر برتن دھونے کے Champion بن جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس سے بدرجہ بہتر تھا کہ وہ اپنے ملک میں محنت کر لیتے اور کامیاب ہو جاتے۔ یہ اہم نہیں کہ آج آپ کہاں کھڑے ہیں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ آپ نے محنت کرنے کے عزم کے ساتھ کن منزلوں کو طے کرنے کا سوچا ہے کیونکہ محنتی کے ہاتھ میں مٹی سونا بن جاتی ہے اور کام چور کے ہاتھ میں سونا بھی مٹی بن جاتا ہے۔ پاکستان میں حقیقی کامیابی کے مواقع بہت زیادہ ہیں کیونکہ یہاں مقابلہ بہت آسان ہے۔ زیادہ تر لوگ شعور کامیابی سے نابلد ہیں اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد بے ایمان ہے اس لیے یہاں زیادہ آسانی کے ساتھ ترقی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کوئی بھی ایماندار ڈاکٹر، ٹھیکیدار، ٹیچر، بزنس مین، ملازم اور سیاست دان بہت تیزی کے ساتھ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن سکتا ہے۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم کا معیار بہت بلند ہے۔ امریکہ میں کامیابی کا شعور اتنی تیزی سے پھیل رہا ہے کہ ہر نئے دن وہاں لاتعداد لوگ Millionaire بن جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ شعور عام نہیں کیونکہ ہمارے ملک کے نوجوان فرسودہ تعلیمی نظام کی وجہ سے فقط تعلیم اور ڈگری کے چکر میں پڑے رہتے ہیں اور انھیں علم کی اصل افادیت کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ پوری دنیا کے 90 فیصد کروڑ پتی کامیاب لوگ Self Made، غریب گھرانوں کی پیداوار اور معمولی پڑھے لکھے ہیں لیکن انھوں نے سخت محنت اور مستقل مزاجی سے اپنے بلند عزائم کو حاصل کیا۔ اس لیے آپ یہ یقین اپنے اندر پختہ کر لیں کہ آپ بھی پاکستان میں رہتے ہوئے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

OO

اصل ہیرو کون؟

دنیا میں کئی طرح کے مزاج موجود ہیں یہ تضاد ہی دنیا کی خوبصورتی ہے لاتعداد لوگ اپنے غلط کردار اور غلط فیصلوں کی وجہ سے ناکام ہو رہے ہیں اور کچھ خوش قسمت لوگ ایسی ناکام لوگوں کی زندگیوں سے عبرت پکڑ کر نتیجہ کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا اس سے بڑا انصاف اور کیا ہوگا کہ یہ دنیا کامیابی کے متلاشی کو کامیابی اور ناکامی کے متلاشی کو ناکامی دیتی ہے۔ کامیاب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کامیاب ہو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کو راضی کیا ہو غلط انسان جس چیز کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے اسے وہ کامیابی تصور کرتا ہے لیکن اصل میں وہ ناکامی ہوتی ہے۔

"عین ممکن ہے کہ انسان وہ چیز ناپسند کرے جو اس کے لیے بہتر ہو اور وہ چیز پسند کرے جو اس کے لیے نقصان دہ ہو" (القرآن)

بے شمار لوگ نہ تو خود ترقی کرنا چاہتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترقی کرنے دیتے ہیں شاید شاعر نے انہی کے لیے کہا تھا:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

یہ لوگ نہ تو کسی فرد کی اور نہ ہی معاشرے کی خوشحالی کے قائل ہوتے ہیں انہیں ناامیدی کا بادشاہ کہا جا سکتا ہے تنقید برائے تنقید ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ تقریباً ان پر

بھی مہربان نہیں ہوتی۔ یہ گمنام آتے ہیں اور گمنام ہی چلے جاتے ہیں کیونکہ دنیا فقط تبصرے کرنے، رائے دینے، تنقید کرنے اور مشورے دینے سے نہیں بنتی بلکہ اس کے لیے کام کرنا پڑتا ہے۔

ایک طبقہ فکر ذاتی مفاد کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھتا ہے وہ کسی کے بھلے کا سوچنا گوارا نہیں کرتا ان لوگوں کو اپنے فائدے سے غرض ہوتی ہے انھیں کم ظرف بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ آکاس بیل کی مانند دوسروں کا خون چوستے ہیں اور خود پھلتے پھولتے ہیں یہ دنیا میں بادشاہ بھی بن جائیں تب بھی آخرت میں ناکام ہوتے ہیں دوسروں کے کندھوں پر سوار ہو کر بلندی حاصل کرنے والا محتاج ہی تو ہوتا ہے اپنی زندگی کے سفر کے اختتام پر یہ لوگ تنہائی کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہی ان کی ناکامی ہوتی ہے۔

جس طرح تاریک رات میں ستارے اپنی چمک دمک سے آسمان کو سجا دیتے ہیں اسی طرح دنیا کے اندھیرے میں کچھ باکمال لوگ ستارے بن کر جگمگاتے ہیں یہ ستارے بغیر کسی تعصب اور نفرت کے اپنے اور پرائے دونوں کو روشنی سے فیض یاب کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ روشنی کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتے ہیں اور اس انعام کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہیرو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے انگریزی ادب میں ان کو سپر مین (Superman) کہا گیا ہے۔ اقبالؒ نے اسی سپر مین کو "مردِ مومن" کہا ہے۔ لیکن جدید نام ہیرو ہی ٹھیک ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ انھی ہیروز سے محبت اور احترام رکھنے والا شخص بھی ان کی جیسی صفات کا مالک ہونے لگ جاتا ہے۔ یہ لوگ مقناطیس کی مانند ہوتے ہیں جو شخص ان کے تعلق میں آتا ہے وہ بھی منفرد شخصیت کا مالک ہونے لگ جاتا ہے۔ ہم فلموں میں جس ہیرو کو دیکھتے ہیں وہ صرف تین گھنٹے کا ہیرو ہوتا ہے مگر یہ لوگ زندگی کی فلم کے ہیرو ہوتے ہیں ان کے متعلق کیا کہا جائے کہ

''ہیرو وہ شخص ہے جو ہر طرح کے حالات میں ہمت کو قائم رکھتے
ہوئے مستقل مزاجی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے
وہ دنیا اور دنیا والوں سے تقاضا کرنے کی بجائے اپنے مالک اللہ
تعالیٰ سے اور خود اپنی ذات سے تقاضا کرتا ہے۔''

یہ لوگ معاشروں، زمانوں اور تاریخ کے نقیب ہوتے ہیں یہ Trend Setter ہوتے ہیں ان کے دم سے دنیا کو آسانیاں ملتی ہیں۔ یہ لوگ خود سختیاں برداشت کرتے ہیں اس لیے لوگ ان کی مثالیں دیتے ہیں اور انسانیت کو ان پر فخر ہوتا ہے ان کے تذکرے اور باتیں لوگوں کو ہمت دیتے ہیں۔ یہ محبت اور امن کا درس بانٹتے ہیں یہ زندگی کے اصل مفہوم کی تشریح ہوتے ہیں اور لوگوں کو اصل زندگی سے آشنا کرواتے ہیں۔

رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کر بکھرا نہیں کرتے

دنیا کے بڑے بڑے سورما اور ستم کرنے والے حکمران بھی آج تک ایسی بیڑیاں ایجاد نہیں کر سکے جو ان ہیروز کے پیغام کو جکڑ سکیں جس طرح ہوا، روشنی اور خوشبو اپنا رستہ خود بناتی ہے اسی طرح ان کا نام اور پیغام سینہ با سینہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ سقراط کی طرح کئی اوروں کو بھی بظاہر دنیا سے مٹا دیا گیا مگر آج بھی تاریخ انہی کے ناموں سے زندہ ہوتی ہے۔ ان کی بات اور پیغام کو اللہ کی طرف سے اذن (حکم) ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں تک پہنچے تاکہ لوگ خوشحال ہوں اور ان کی زندگیاں آسان ہوں یہ لوگ آسانیاں دے کر آسانیاں بانٹنے کا درس دیتے ہیں اسی لیے سالوں بعد بھی لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت واحترام زندہ رہتا ہے۔

○○

ناکامیاں کامیابی کے لیے ضروری ہیں

مسافر کے چہرے کی تھکن طویل سفر کی مشکلات کو ظاہر کرتی ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ بوڑھے تو بوڑھے نوجوان بھی جوانی کے شاندار دنوں میں زندگی سے اکتا جاتے ہیں۔ استقامت اور جدوجہد کی اتنی کمی ہے کہ ایک یا دو بار کی ناکامی انھیں اتنا مایوس کر دیتی ہے کہ کامیابی کا تصور کرنا تو دور کی بات نام لینا بھی بھول جاتے ہیں۔ ہم نے کئی بار طالب علموں کی پذیرائی اور ہمت بڑھانے کے لیے انھیں یہ کہہ کے دیکھا کہ "تم بہت آگے جاؤ گے اور کامیاب ہو گے" تو ان کی اکثریت یہ کہتی ہے "سر آپ مذاق تو نہ کریں ہم کامیاب کیسے ہو سکتے ہیں ہماری زندگی تو ناکامیوں سے بھری پڑی ہے"۔ پھر ہمیں انھیں ایک اہم آفاقی اصول سمجھانا پڑتا ہے کہ "ناکامیاں کامیابی کی خوراک ہوتی ہیں" کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے کامیاب ترین لوگ لاتعداد دفعہ ناکام ہوئے پھر کہیں جا کر کامیابی ملی۔ ایڈیسن کی مثال لیجیے اس نے بلب بنانے کے لیے ۹۹۹۹ دفعہ ناکام کوشش کرنے کے بعد کامیابی حاصل کی۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ ایڈیسن تم ۹۹۹۹ دفعہ ناکام ہوئے ہو تمھیں مایوسی نہیں ہوئی اس نے جواب دیا کہ "بالکل نہیں بلکہ میں نے ۹۹۹۹ ایسے طریقے ایجاد کیے ہیں جن سے بلب روشن نہیں ہو سکتا" اب ذرا تصور کیجیے اگر ایڈیسن ہمت ہار جاتا تو آج ساری دنیا روشن نہ ہوتی۔ جب ہم کسی کو ناکامیوں کی اہمیت بتا رہے ہوتے ہیں تو وہ یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ناکامی

آخر ایسی ضروری کیوں ہے۔ اس کی وجوہات بہت دلچسپ ہیں پہلی وجہ یہ کہ ناکامیاں
کے بغیر ہی کامیابی ملتی ہوتی تو ہر کوئی کامیاب ہوتا اور اگر ہر کوئی کامیاب ہوتا تو کامیابی
کی خوشی کا احساس سب کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ چیز جو سخت
محنت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ آپ کے لیے قیمتی بن جاتی ہے اور آپ اس کی قدر
کرتے ہیں تیسری وجہ یہ کہ جب تک کامیابی آپ کے قدم چومتی ہے تب تک آپ کی
شخصیت پختہ ہو جاتی ہے اور آپ اس مقام و مرتبے کو سنبھال لیتے ہیں چوتھی وجہ ہے کہ
بڑے انسان کی شخصیت سخت حالات میں ہی نکھر کر سامنے آتی ہے بالکل ایسے جیسے
کندن بنانے کے لیے سونے کو شدید گرم کرنا پڑتا ہے عظیم لوگ Tea Bags کی مانند
ہوتے ہیں آپ ان کی اصل طاقت کا تب تک اندازہ نہیں کر سکتے جب تک انھیں اُبلتے
پانی میں نہ ڈالا جائے۔

سیکھنے کے بے شمار ذرائع ہیں مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ ''زمانہ سب سے بڑا اُستاد
ہے۔'' منزل کے رستے میں آنے والی پریشانیاں آپ کو سکھانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔
غلطیوں کے نتائج ہی انسان کے تجربے کو وسیع کرتے ہیں۔ دنیا کے استاد پہلے سکھاتے
ہیں پھر امتحان لیتے ہیں مگر زندگی ایک خاموش استاد ہے جو پہلے امتحان لیتی ہے پھر
سکھاتی ہے۔

ناکامیوں کے دور میں امید کا دامن تھامے بغیر ڈٹے رہنا ہی خوش بختی کی علامت
ہے۔

''استقامت میں کرامت ہے'' (حضرت واصف علی واصف)

مسائل، مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا ہی مردانگی ہے نوجوان ناکامی سے
بچنا چاہتے ہیں اسی لیے وہ ہمیشہ کے لیے کامیابی سے بھی بچ جاتے ہیں کیونکہ کامیابی
ناکامیوں کے بعد ہی تو آتی ہے۔

ناکامی کسی انسان کا راستہ نہیں روک سکتی اگر اسے کامیابی حاصل کرنے کا مکمل

یقین ہو۔ انسان کل کا انتظار بھی اُمید کے سہارے کرتا ہے ورنہ ایک ایک پل اُس کے لیے کانٹا بن جاتا ہے۔ آیئے آج سے اُمید کی شمع کو روشن کریں اور اپنی ناکامیوں کو خوش دلی سے قبول کریں تاکہ ہماری کامیابی ہمیں فراخ دلی سے قبول کرلے۔

OO

بہتر جگہ

ہر چیز ہر جگہ بڑی مناسب نہیں لگتی کہتے ہیں کہ کوہ نور ہیرا ایک دیہاتی کو مل گیا وہ فوراً اس کو گھر لے کر گیا اور اپنے گدھے کے گلے میں ڈال دیا۔ وہ پورا دن گدھے کو گاؤں میں گھماتا اور لوگوں کو وہ ہیرا دکھاتا کہ دیکھو کتنا خوبصورت لگ رہا ہے میرا گدھا۔ گاؤں والے بھی سادہ لوح تھے وہ بھی بہت تعریف کرتے کہ ہاں بھائی گدھا بہت سمارٹ لگ رہا ہے۔ کسی دن اس گاؤں میں ایک جوہری کا گزر ہوا جب اس نے یہ منظر دیکھا تو اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ تو بہت قیمتی ہیرا کوہ نور ہے اس نے وہ ہیرا سادہ لوح دیہاتی سے دو ٹکے کا ہتھیا لیا۔ اور سونے کے ہار میں سجا کر ملکہ کو پیش کیا اور بے انعام و اکرام پایا جب وہ ہیرے والا ہار ملکہ نے گلے میں پہنا تو سب نے یہی کہا کہ یہی اس ہیرے کی بہترین جگہ تھی اور یہی اس کا بہترین استعمال تھا۔

آج نا اہل حکمران بن جاتے ہیں اور اہل ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ کسی قوم پر اس سے بڑا کوئی عذاب اور اس سے بڑی آزمائش نہیں ہوتی کہ اس کے پاس قیادت نہ ہو اس کے رہنما اس سے چھن جائیں۔ قائدین بڑھ جائیں اور قیادت کا فقدان ہو جائے۔ ہر کوئی اپنے ذاتی مفاد کے لیے ووٹ ڈالنے جا رہا ہو اور ملکی مفاد پس پشت ڈال دے۔ ہر شخص حکمران بننا چاہتا ہو اور حکمرانوں سے ہی نفرت کا اظہار کرے۔

اہل لوگوں کو اہل عہدوں پر فائز کرنے سے ہی بہترین نتائج کی

توقع کی جا سکتی ہے۔'' (حضرت واصف علی واصفؒ)

اس دنیا پر ہدایت کا خزانہ ہمارا دین اسلام ہے اور اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے خود پسند فرمایا۔ لیکن اس باکمال مذہب اسلام کی خدمت کے لیے دعوے اور باتیں تو بے شمار ہوئیں لیکن کوئی ماں اپنے بچے کے لیے یہ خواہش کم ہی کر رہی ہوگی کہ یہ دین کی خدمت کرے گا۔ اس کی ذہانت رُشد و ہدایت کے کام آ رہی ہوگی۔ بلکہ وہ یہ خواہش پال لیتی ہے کہ یہ بڑا ہو کر انجینئر بنے گا اور یہ بات کہ ''میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی'' صرف بات ہی رہ گئی ہے اعلیٰ ترین مذہب کو اعلیٰ ترین ذہانت والے سپوت درکار ہیں۔

بہترین مذہب کو بہترین انسانوں کی ضرورت ہے۔ اسی لیے جس چیز کو جہاں ہونا چاہیے وہ وہاں نہیں ہے اور بات مناسب نہیں لگ رہی۔ دعا یہ نہ کیجیے کہ وہ لوگ مر جائیں جو ہم پر طاقت مسلط کر رہے ہیں۔ دعا یہ کیجیے کہ ہم لوگوں کو اپنی کمزوری کا احساس ہو جو کسی کے لیے طاقت بن رہی ہے اور ہم بیدار ہو جائیں کیونکہ بیدار قوموں کے مستقبل ہی تابناک ہوتے ہیں۔ ہماری کمزوری طاقت میں تب ہی بدل سکتی ہے جب ہم صرف گلے کرنے کی بجائے عمل شروع کر دیں۔ تقاضے کرنے کی بجائے کچھ دینا شروع کر دیں۔

آئندہ دنوں کی سختیوں کو آسانیوں میں بدلنے کے لیے نوجوانوں کو تربیت دیں۔ تعلیم نہیں علم کی شمع کو روشن کریں۔

''اینٹوں میں ربط ختم ہو جائے تو دیوار اپنے ہی بوجھ سے گر جاتی ہے''

(حضرت واصف علی واصفؒ)

ہم کیوں نہ آپس میں ربط قائم کریں مجبوری سے نہیں محبت سے اس طرح ہم لوگ ایک مضبوط دیوار بن کر طوفانوں کا مقابلہ کر سکیں گے ایک دوسرے سے محبت اور عزت کے جواز نہ ڈھونڈیں بلکہ ایک ہی جواز سامنے رکھیں کہ یہ بھی میرے رب کا بندہ ہے اور

میرے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کلمہ گو ہے۔

کیونکہ ہر چیز ہر جگہ پر مناسب نہیں لگتی اسی لیے ہم لوگ اس پسپائی اور بے بسی کی حالت میں مناسب نہیں لگ رہے۔ آئیے بہترین مذہب والوں کو بہترین جگہ پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر صرف دو آنسو بہا کر کسی بہتر جگہ پہنچنے کے لیے دعا کریں۔

OO

اپنی سوچ بدلیں زندگی خود بدل جائے گی

غیر معمولی شخصیت بننے کے لیے آپ کی سوچ غیر معمولی ہونی چاہیے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی کی ابتدا بھی ایک سوچ سے ہوئی ہے۔ غاروں کے دور سے آج تک کی تمام ترقی انسان کی سوچ اور غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ انسان نے ابتدا سے ہی زندگی کو باسہولت بنانے کے لیے سوچنا شروع کیا اور آج اس سوچنے کی عادت کی وجہ سے بجلی، ٹیلی فون، ہوائی جہاز، کمپیوٹر، موبائل فون جیسی سہولیات ہر ایک کو میسر ہیں۔ عظیم لوگوں کو منفرد بنانے والی طاقت کا نام ان کی سوچ ہے۔ ایک سوچ کی اپنی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ ہر شخص کی ایک ہی واقعہ کے حوالے سے سوچ مختلف ہوتی ہے لیکن ہر سوچ ایک حقیقت کو جنم دیتی ہے۔ آپ کے تمام حالات آپ کی سوچ کے مرہون منت ہیں۔ کیونکہ آپ جیسا سوچتے ہیں ویسا بن جاتے ہیں۔ جو شخص کامیابی اور خوشحالی کا نہیں سوچتا وہ اسے حاصل بھی نہیں کر سکتا۔ سوچ پانی کے بہاؤ کی مانند ہے جب یہ بہاؤ متواتر ایک پتھر پر پڑتا رہے تو وہ سخت پتھر بھی کٹ جاتا ہے اور اسے راستہ فراہم کر دیتا ہے۔ اس دنیا میں نہ کچھ اچھا ہے اور نہ ہی برا، یہ فقط آپ کے سوچنے کا انداز ہے۔ لوگ اپنی زندگی بدلنا چاہتے ہیں لیکن سوچ بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس لیے ان کی زندگی بھی کامیاب نہیں ہوتی۔ ہمارے حالات ہمارا انتخاب نہیں لیکن ہم اپنے خیالات کا خود انتخاب کر سکتے ہیں اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ "ہم اپنے خیالات کو بدل کر اپنے

حالات بدل سکتے ہیں" ایک اچھا انسان بننے کے لیے اچھا اور مثبت سوچنے حدیث شریف ہے کہ

"نیک گمان رکھنا عبادت کا حصہ ہے"

اگر آپ اپنی کارکردگی کو بہتر کرنا چاہتے ہیں تو ایسی سوچ اپنائیں جو آپ کی صلاحیتوں کو ابھارے۔ وہ لوگ جو آپ سے بہتر حالت میں ہیں ان کے ساتھ گفتگو کیجیے اور ان کے خیالات اور سوچ کو اپنایئے آپ کو بھی ان جیسے نتائج ملنا شروع ہو جائیں گے۔ سوچنا ایک فن ہے منفرد سوچ آپ کو منفرد بنا سکتی ہے چلیں آپ اچھا نہیں سوچ سکتے تو برا بھی مت سوچیں۔ منفی سوچ دیمک کی مانند ہے جو آپ کی ذات کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ یہ آپ کی خوشیاں چھین لیتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پائیدار اور دیرپا لکڑی ٹیک کی ہے۔ ٹیک کو دیمک نہیں لگتا کیونکہ دیمک اس کے ذائقے کو پسند نہیں کرتی۔ آپ بھی منفی سوچ جو کہ دیمک کی مانند ہے کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔ اس طرح آپ مضبوط شخصیت کے مالک بن جائیں گے۔

ہر سوچ ایک بیج کی مانند ہے اور آپ کا ذہن ایک باغ کی طرح ہے۔ آپ نے اس باغ میں اپنی مرضی کے پھولوں والے پودے نہ بوئے تو غیر ضروری جھاڑیاں اور کانٹے اگنے لگیں گے۔ ایک سوچ ایک عمل کو جنم دیتی ہے جب آپ کوئی عمل بار بار کرتے ہیں تو یہ آپ کی عادت بن جاتا ہے آپ کی عادت پختہ ہو جائے تو وہ آپ کے کردار کو جنم دیتی ہے اور آپ کا کردار آپ کی تقدیر بناتا ہے اس لیے اپنی تقدیر بدلنے کے لیے آپ کو اپنی سوچ بدلنا ہوگی۔ بہتر سوچ بہتر رویے کو پیدا کرتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ۔

"Our Attitude Determines our altitude"

یعنی زندگی میں ہماری بلندی کا تعین ہمارا رویہ کرتا ہے۔ اپنے رویے کو شاندار بنانے کے لیے اپنی سوچ کو جاندار بنائیں۔ آپ کی موجودہ حالت آپ کے ماضی

کی سوچوں کا نتیجہ ہے اور آپ کے مستقبل کو آپ کی آج کی سوچیں متاثر کرتی ہیں اچھی قسمت کا دوسرا نام اچھی سوچیں اور خیالات ہیں کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص باکمال سوچے اور اس کو شاندار نتائج نہ ملیں اس دنیا پر آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کوئی گندم بوئے اور کپاس کی فصل اگ آئے جو بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے۔

ہر چیز کا حصول ممکن ہے اگر سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچا جائے۔ المیہ یہ ہے کہ لوگ ناکامی سے بچنے کا سوچتے ہیں حالانکہ انھیں کامیابی کا سوچنا چاہیے۔ بے شمار لوگ اپنی زندگی کو فقط گزارنے کا سوچ رہے ہیں، انھیں اپنی زندگی کو خوشحال بنانے کا سوچنا چاہیے۔ طالب علم فیل نہ ہونے کا سوچتے رہتے ہیں ان کو بھی اعلیٰ نمبروں کے حصول کے متعلق سوچنا چاہیے اسی طرح لوگ جرائم، برائیوں، سماجی خرافات، خودکشی، غربت، بدنظمی، بدحالی، مسائل اور بیماریوں کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔ یہ تمام سوچیں ان کی شخصیت کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ انسان جب بولتا ہے تو اپنی سوچ اور شخصیت کو ظاہر کر رہا ہوتا ہے اور آج انہی مسائل اور مصائب کے تذکرے اور تبصرے ہر فرد کی زبان پر ہیں۔ آپ خود انصاف کریں کہ برائیوں کو سوچنے اور زیر بحث لانے سے کیا یہ ختم ہو جائیں گی۔ بہت کم لوگ ان برائیوں اور مسائل کے حل کے متعلق غور و فکر کر رہے ہیں اور وہی ہیرو کہلانے کے حق دار ہیں۔

اگر آپ نے پہلے کبھی اپنی زندگی کو شاندار بنانے کے متعلق نہیں سوچا تو اب سوچیے۔ سوچ پر کوئی پابندی نہیں۔ خواب دیکھنا کوئی جرم نہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے بارے میں سوچیے۔ اس دولت کی مدد سے آپ ایک عالی شان گھر حاصل کر سکیں گے ایک بڑی گاڑی آپ کے گیراج میں کھڑی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ عزت و احترام اور محبت و چاہت سے بھرپور زندگی کے بارے میں سوچیے۔ بیرون ملک سیر و تفریح کے ڈھیروں مواقع اور خوشیوں و مسرتوں کا تصور ذہن میں لائیں۔ اپنی من پسند زندگی گزارنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ لاتعداد محبت کرنے والے دوست

احباب آپ کے ساتھ ہوں گے آپ تمام طرح کی فکروں سے آزاد ہو کر ایک امن و سکون والی زندگی گزار رہے ہوں، آپ کی زندگی دوسروں کے لیے فائدہ مند بن جائے اور آپ ایک مثالی انسان بن جائیں۔ جب تک آپ اس طرح کی فائدہ مند سوچیں اپنے اندر داخل نہیں ہونے دیں گے آپ کی زندگی نہیں بدلے گی۔ بڑا سوچیے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ "Think more, get more" یہ زندگی ان لوگوں کو محدود نتائج دیتی ہے جو محدود سوچ اپناتے ہیں۔

یہ اصول یاد رکھیں کہ فقط ایک بار سوچنے سے بات نہیں بنتی۔ متواتر سوچیے کیونکہ دنیا کے تمام بڑے لوگ دن میں کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ آپ بار بار سوچیں کہ آپ نے کیا حاصل کرنا ہے۔ اس طرح یہ سوچ آپ کے اندر چھپے ہوئے جن کو جگا دے گی۔ یہ جن آپ کا لاشعور ہے۔ لاشعور جس خیال اور سوچ کو ایک بار پکڑ لے تو وہ اسے حاصل کر کے ہی رہتا ہے۔ اس کو فعال (Active) کرنے کے لیے آپ کو بار بار اپنی کامیابی کے متعلق سوچنا ہوگا۔ آپ پہلے یہ سوچیں کہ آپ نے آئندہ سے کیا سوچنا ہے۔ اگر ایک شخص درست انداز میں سوچنے کے فن سے آشنا ہو جائے تو یقیناً اس نے زندگی گزارنے کا فن سیکھ لیا۔

OO

کون ہارا کون جیتا؟

ہار جیت تو زندگی کا حصہ ہوتی ہے۔ جیت کا لطف بھی ہارنے کے بعد ہی آتا ہے۔ ہار سے گھبرا کر بھاگنے والے کامیاب کھلاڑی ثابت نہیں ہوتے۔ اہم یہ نہیں کہ آپ ہار گئے یا جیت گئے بلکہ اہم یہ ہے کہ آپ کا رویہ مثبت رہا یا منفی۔ بے شمار لوگ ہار سے بچنا چاہتے ہیں کیونکہ انھیں ہارنے سے شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جیت کی قیمت تو کئی بار ہارنے سے ادا کی جاتی ہے۔ ماہرین کی ریسرچ کے مطابق جیتنے والے (Winners) اور ہارنے والے (Quiters) کے رویے کا فرق ہی اُن کی منزلوں کو جدا کر دیتا ہے۔ زندگی مسائل اور مشکلات کا مجموعہ ہے۔ ان مسائل کا موجود ہونا اہم نہیں بلکہ ان کے حوالے سے ہمارا رویہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ہمارا رویہ ہی ہماری کامیابی یا ناکامی کا تعین کرتا ہے۔ خواب کون نہیں دیکھتا؟ خواب دیکھنا جرم بھی نہیں لیکن ناکام اور ہارنے والے صرف نیند میں خواب دیکھتے ہیں جبکہ جیتنے والے کو خواب جاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں اصل کمال اس بات میں ہے کہ اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ کیسے دیا جائے۔ مثبت رویے والا شخص اس لیے بھی جیت جاتا ہے کیونکہ اس کا درخت ہر موسم میں سرسبز اور پھل دار رہتا ہے۔ ہارنے والا دراصل خود اپنے رستے کی رکاوٹ بنا ہوتا ہے۔ وہ سب کو بدلنا چاہتا ہے لیکن خود کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ اس لیے روشنیاں بجھانا چاہتا ہے تاکہ یہ جان سکے کہ اندھیرا کتنا

ہے۔ ہارنے والے اور جیتنے والوں کے مزاج اور رویوں کے فرق کی وضاحت کچھ اس طرح سے کی جا سکتی ہے۔

1۔ دنیا میں 99 فیصد لوگ مسائل کا سامنا کرتے ہوئے مسائل کا حصہ بن کر اپنی تمام توانائی کھو بیٹھتے ہیں اس لیے وہ ہار جاتے ہیں۔ ایک فیصد لوگ ''جیتنے والے'' کہلاتے ہیں اور وہ اپنی توانائی ''حل'' پر لگا دیتے ہیں اور آخر کار ''حل'' پا بھی لیتے ہیں۔

2۔ ہارنے والوں کو کھیل کے میدان سے ڈر لگتا ہے۔ وہ ٹیم (Team) کا حصہ بننے سے ڈرتے ہیں۔ انھیں صرف رائے اور مشورے دینے میں لطف محسوس ہوتا ہے۔ جیتنے والے ٹیم کا حصہ بن کر سخت محنت کرتے ہیں اور آخر کار کامیاب ٹھہرتے ہیں۔

3۔ جیتنے والے ان چیزوں سے مطمئن نہیں ہوتے جو خود بخود ان تک پہنچ گئی ہیں بلکہ وہ اپنی دنیا خود بنانے کے قائل ہوتے ہیں۔ ہارنے والے چاہتے ہیں کہ ان کے کام خود بخود ہو جائیں اور دوسرے ان کی مدد کرتے رہیں۔

4۔ جیتنے والوں کا ایمان ہوتا ہے کہ جب انسان اپنی تمنا کی تکمیل کے لیے ارادہ کر لے تو کائنات کی وسعتیں اس کے دائرہ کار میں شامل ہو جاتی ہیں۔ عمر، بیماری، سستی، مفلسی اور منفی حالات جیسی کوئی رکاوٹ ان کو خواہش کی تکمیل سے روک نہیں سکتی۔ ہارنے والے کے پاس دنیا کی ہر چیز کا گلہ ہوتا ہے اس لیے وہ ہر موقع کو بھی رکاوٹ بنا کر نا کام ہو جاتا ہے۔

5۔ جیتنے والا Gain یعنی اپنے حاصل کو اور ہارنے والا Pain یعنی تکلیف کو دیکھتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ جو اپنے حاصل نتائج کو دیکھے گا وہ جوش و خروش حاصل کرے گا اور جو تکالیف کو یاد کرے گا وہ اسی اذیت کا شکار رہے گا۔ منزل کا خواب ہی سفر کی صعوبتوں کو آسان کر دیتا ہے۔

6- ہر کامیاب اور جیتنے والا شخص اپنے جوانی کے ایام میں ہی کسی ہیرو (Hero) سے متاثر (Inspire) ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے رول ماڈل کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے جبکہ ناکام کے مطابق کوئی شخص اس قابل ہی نہیں کہ اُسے ہیرو مانا جائے۔ جو بہتر کی تعریف نہیں کر سکتا وہ خود کیسے بہتر بن سکتا ہے۔

7- تاریخ بتاتی ہے کہ مشہور ترین لوگوں کو کامیابی سے پہلے دل توڑ دینے والی ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اس لیے جیت گئے کہ وہ سینکڑوں ناکامیوں کے باوجود حوصلہ نہیں ہارے۔ دنیا ناکام لوگوں سے بھی بھری پڑی ہے وہ ایک دو بار کی ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر رستہ چھوڑ گئے۔

8- بے وقوف یہ سمجھتا ہے کہ تمام لوگ ہار جائیں گے تو وہ جیت جائے گا۔ عقل مند سب کی فتح کو اپنی فتح سمجھتا ہے وہ Win-Win-Rule (سب کی جیت) کا قائل ہوتا ہے۔ اس لیے سب لوگ بھی اس کی جیت میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

9- ہر جیتنے والا مستقبل پر نظر جمائے آگے بڑھتا ہے اور ہر ہارنے والا ماضی کو کوستے ہوئے ناکام ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ماضی صرف سبق سکھانے کے لیے آیا تھا۔

10- بے شمار لوگ کئی کام شروع کرتے ہیں اور یہ کہہ کر ترک کر دیتے ہیں کہ یہ کام میرے کرنے کے نہیں اس لیے وہ ناکام ٹھہرتے ہیں۔ دانا شخص چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک طویل سفر کی ابتدا بھی پہلا قدم اٹھانے سے ہوتی ہے۔

11- جیتنے والا ٹھوس دلائل کے لیے نرم الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ہارنے والا سخت الفاظ استعمال کرنے کا عادی ہوتا ہے۔

12- جیتنے والا اقدار کے معاملے میں اٹل ہوتا ہے البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر سمجھوتہ

کر لیتا ہے۔ ہارنے والا چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہٹ دھرم ہوتا ہے اور اقدار پر سمجھوتا کر لیتا ہے۔

13۔ ہر جیتنے والا اپنی جیت کے لیے تیاری کرتا ہے اور ہارنے والا اپنی جیت کے لیے صرف انتظار کرتا ہے۔

ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ ہار اور جیت کے انتخاب سے پہلے ہمیں ایک مثبت رویے کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ تمام اصول اُس مثبت رویے کی تشکیل میں ہمارے معاون ہیں ان کو نظر انداز مت کریں۔ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہے کیونکہ وہ خود بہترین مدد کرنے والا ہے آپ انشاء اللہ ضرور جیتنے والوں کی فہرست میں سر فہرست رہیں گے۔

OO

بچوں کی نفسیات

اکبر بادشاہ دربار میں موجود تھا اُس نے ایک عجیب سوال دربار کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ سوال یہ تھا کہ اس جہاں میں عظیم ترین کون ہے؟ سب درباری سوچ بچار کرنے لگے مگر کوئی مناسب جواب نہ بن پایا آخر بادشاہ نے خود کو ہی جہاں میں سب سے عظیم قرار دیا۔ خوشامد کرنے والے درباریوں نے ہاں میں ہاں ملا دی مگر بیربل نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ بادشاہ سلامت آپ سب سے بڑے نہیں ہیں ایک ہستی ایسی بھی ہے جو آپ سے بڑی اور عظیم ترین ہے۔ بادشاہ نے دریافت کیا وہ کون سی ہستی ہے تو بیربل بولا کہ پھر کبھی بتاؤں گا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد بیربل ایک معصوم بچے کو اٹھا کر دربار میں لے آیا اور بادشاہ اکبر سے کہا کہ یہ بچہ آپ سے بھی بڑی ہستی ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ معصوم مجھ سے بڑی ہستی کیسے ہو سکتا ہے۔ بیربل نے بچے کو بادشاہ کی گود میں بٹھاتے ہوئے کہا آج میں یہ ثابت کر دوں گا۔ بچہ بادشاہ کے مقام و مرتبے سے نا آشنا تھا۔ اُس نے معصومیت میں پہلے بادشاہ کی مونچھیں کھینچنا شروع کیں پھر کپڑے خراب کر دیے لیکن بادشاہ اُس کی حرکتوں سے خوش ہوتا رہا۔ ایک دم بچے نے اکبر بادشاہ کا تاج اُتار کر زمین پر دے مارا۔ بیربل نے فوراً کہا عالی جاہ! بچے کو سخت ترین سزا ملنی چاہیے مگر اکبر بادشاہ نے کہا نہیں بیربل یہ بچہ ہے اور اس کی اس معصومانہ حرکت پر اسے سزا کیسے دے سکتے ہیں بیربل نے مناسب موقع جانا اور فوراً کہا یہی تو میں نے

کہا تھا کہ بادشاہ سلامت آپ سے بھی ایک عظیم ترین ہستی معصوم بچہ ہے جو آپ کا تاج بھی اُتارے تو آپ برا محسوس نہیں کرتے۔ بادشاہ نے بیربل کے نقطہ نظر سے دلی طور پر اتفاق کیا۔

ہمیں اپنی بات اور جذبات کو دوسروں تک موثر طریقے سے پہنچانے کے لیے ان کی ذہنی سطح کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کیساتھ بچہ بننا پڑتا ہے بڑے بڑے دانا اور صاحب فہم اپنے بچے کے سامنے نئے نئے الفاظ کی ڈکشنری کھول کر بیٹھتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بچوں کو جھڑکنا آسان ہے مگر انہیں سمجھانا بہت مشکل ہے نفسیات کے اصولوں کے مطابق بچوں کو صرف نصیحتیں کرنے سے اُن کے اندر کوئی خاص خوبی نہیں پیدا کی جا سکتی بلکہ وہ خوبی جو آپ بچے میں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ آپ خود عملی طور پر اُسے کر کے دکھائیں۔

بچے فطرتی طور پر کاپی کرنا جانتے ہیں آپ سچ بولیں گے تو آپ کا بچہ بھی سچ بول کر فخر محسوس کرے گا۔ آپ دیانت داری اختیار کریں گے تو بچہ آپ کے کہے بغیر دیانت داری کو اپنا شعار بنائے گا۔ آپ کی ذات پر اسلام نافذ ہوگا تو بچہ بھی اسلام کو دین کمال سمجھے گا۔ آپ کی نماز آپ کے بچے کو نمازی بنائے گی آپ کی سخاوت بچے کو سخی ہونے کا درس دے گی۔

دوسروں کو بے لوث دینے کے حوالے سے بے شمار کتب میری نظر سے گزریں۔ مجھ میں اور میری بیوی میں یہ عادت موجود تھی سو بچے کو Art of giving سکھانے کے لیے ہم دونوں میاں بیوی ایک مخصوص دن بچے کو ساتھ ملا کر کچھ پکاتے ہیں اور اس پکوان میں ہم تینوں کی محنت شامل ہو جاتی ہے اس کے بعد ہم اسکو گاڑی میں رکھ کر شہر کے کسی ایسے علاقے میں چلے جاتے ہیں جہاں لوگ بہتر کھانے سے محروم ہیں اور وہاں جا کر ہم تینوں اپنے ہاتھوں سے وہ کھانا ان غریب مزدوروں اور بھوکے لوگوں کو کھلا دیتے ہیں اور اُن نادار لوگوں کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر اپنے دل میں خوشی کی

اچھا محسوس کرتے ہیں۔

تمام بچے ایک ہی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں دنیا میں آنے والے بچے کا نہ تو کوئی مذہب ہے نہ قوم نہ عقیدہ اور نہ ہی فرقہ، یہ سب کچھ اُس کو دنیا نے دیا ہے۔ وہ اپنی معصومیت کی وجہ سے گناہ اور ثواب سے آزاد ہوتا ہے یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اُس خالی کتاب میں کیا داستان لکھ دیں۔ ہماری تربیت ہی اُسے بامِ عروج تک لے جا سکتی ہے اور ہماری کوتاہی اُسے مختار کی بجائے مجبور بنا سکتی ہے۔ آیئے اپنے مستقبل کو شاندار بنائیں اپنے حال کو بہتر بنا کر تا کہ حال بدحال نہ ہو اور مستقبل تابناک ہو جائے۔

OO

دوسروں سے تعلق قائم رکھنے کے طریقے

انسانی فطرت ایسی ہے کہ کوئی بھی انسان تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی گزارنے کے لیے سماج، معاشرہ اور رشتے بناتا ہے۔ وہ رشتے جو خدا تعالیٰ نے بنا دیے وہ خون کے رشتے ہیں جن میں ماں باپ اور بہن بھائی کا رشتہ ہے۔ باقی تمام رشتے وہ خود بناتا ہے مثلاً دوست احباب، بیوی اور محلے دار وغیرہ انسان ساری زندگی ان دو طرح کے رشتوں کو ملحوظ نگاہ رکھ کر اپنے کام کرتا ہے۔

آج کے ترقی یافتہ دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ لوگ عام گلہ کرتے ہیں کہ غیر تو غیر یہاں اپنے بدل جاتے ہیں۔ کوئی بے وفائی کر گیا کوئی فراڈ اور دھوکہ کر گیا کوئی احسان فراموش نکلا اور کوئی صنم ہرجائی یہ تمام گلے حق بجانب لیکن ہم عام طور پر کچھ اصولوں کو نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ مصیبتیں گلے پڑتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ تعلق بنانے سے پہلے خوب اچھی طرح جانچ لیا جائے کہ کوئی کیا ہے اس کی فطرت، عادات طور طریقے کیا ہیں مگر یہ بات ضرور یاد رکھی جائے کہ کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہر انسان اچھائیوں اور برائیوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن جب آپ ایک بار تعلق بنالیں تو پھر اسے ساتھ چلاتے جائیں اگر کبھی یہ محسوس ہو بھی کہ وہ نااہل اور نالائق ہے تو یہ ضرور سوچیں کہ اب اس نااہل اور نالائق کے آپ ہی تو لائق اور اہل دوست ہیں اگر آپ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تو وہ بیچارہ کہاں جائے گا۔

کسی سے بھی اچھا اور مضبوط تعلق قائم رکھنے کے لیے ان باتوں کو ضرور اہمیت دیں۔

1۔ ہمیشہ تعلق خلوص کی بنیاد پر رکھیں اور خلوص سے دوسرے کا بھلا چاہیں۔

2۔ جس سے تعلق ہو اسے ہمیشہ عزت اور محبت دیں اس طرح وہ بھی آپ کو عزت دے گا۔

3۔ اپنے ساتھی کی ترجیحات کو ضرور جانیں اور اپنی ترجیحات اس کے سامنے واضح کر دیں تاکہ آپ ایک دوسرے کا وقت ضائع نہ کریں۔

4۔ اگر پیسے کا لین دین ہو تو بہت واضح رکھیں۔

5۔ کسی سے احسان کی امید نہ رکھیں بلکہ دوسروں پر احسان کریں۔

6۔ اگر کسی سے بہتر تعلق رکھنا چاہتے ہیں تو اپنی توقعات اور امیدیں کم سے کم رکھیں۔

7۔ اکثر اپنے ساتھی کی جگہ آ کر سوچا کریں کہ وہ کن حالات و واقعات کا شکار ہے اور اس کا نقطہ نظر کن وجوہات کی بنا پر مختلف ہے۔

8۔ شک نہ کریں کیونکہ شک اور بدگمانی تعلق کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

9۔ دوسروں کے مسائل کو جانیں اور حل کرنے کی کوشش ضرور کریں اگر حل نہیں کر سکتے تو ہمدردی ضرور رکھیں۔

10۔ اپنے ساتھیوں کو تحفے دیں اس سے پیار بڑھتا ہے۔

11۔ جب بھی ملیں مسکرائیں ہاتھ ملائیں اور گلے ملیں مسکراتا چہرہ اچھے تعلق کی علامت ہوتا ہے۔

12۔ کبھی ناراضگی ہو تو فوراً راضی کر لیں اس طرح تعلق اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

ہمارے دین کامل اسلام کے مطابق "مسلمان وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے" انسان دوسروں کو خوشی دے تو خوشی ہی اس کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔

"دوست وہ ہوتا ہے جو غم کم کر دے اور خوشی زیادہ"

(حضرت واصف علیؒ واصف)

آج ہی فیصلہ کریں کہ کس دوست کے غم کو کم کرتا ہے اور خوشی کو زیادہ تا کہ آپ کی طرف سے دوستی کا حق ادا ہو سکے۔

○○

اِبتدا آپ سے....

پیدائش اور موت کے درمیانی وقت کو زندگی کہتے ہیں یعنی وہ وقت جو ہمیں آج میسر ہے وہ زندگی ہے۔ اللہ تعالٰی کے نظام میں تقسیم کچھ اس طرح سے ہے کہ زیادہ تر لوگوں کو حالات، ماحول، وقت اور صلاحیتیں تقریباً ایک جیسی میسر آتی ہیں۔ انسان کی اوسط عمر تقریباً 50 تا 60 سال ہے۔ دنیا کی زیادہ تر آبادی غریب اور متوسط ہے۔ تعلیم کے وسائل ہر جگہ ناپید ہیں اس وجہ سے بے شمار لوگ اس یقین کو پختہ کر لیتے ہیں کہ ''کامیابی اور خوشحالی قسمت اور تقدیر سے ملتی ہے''۔ یہ یقین حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ کئی لوگوں کو عمومی حالات کی نسبت زیادہ سخت حالات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے اسی وقت اور اسی زندگی سے ناقابلِ یقین اور حیرت انگیز نتائج حاصل کیے مثال کے طور پر فرینکلن روزویلٹ اُنتالیس سال کی عمر میں پولیو کی وجہ سے معذور ہو گیا تھا اس کے باوجود وہ اپنی ہمت اور کوشش سے چار بار امریکہ کا صدر رہا۔ تھامس ایڈیسن کو سکول میں بے حد سست ہونے کا خطاب ملا نتیجتاً اُس کی ماں نے اُسے گھر میں پڑھانا شروع کر دیا تھا لیکن دنیا جانتی ہے کہ اسی تھامس ایڈیسن نے اس دنیا کی بہتری اور ترقی کے لیے 1249 ایجادات کیں اور آج اُس کے بنائے ہوئے اصول ہر سکول، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھائے جا رہے ہیں۔ ایلوس پریسلے سے کہا گیا تھا کہ وہ گلوکاری کے قابل نہیں ہے۔ آج اسی کی بنائی ہوئی دھنیں دنیا گنگنا رہی ہے۔ ابراہم

لنکن کا فوج کے شعبے میں عہدہ گھٹایا گیا تھا کیونکہ وہ اس لائق نہیں سمجھا گیا لیکن وہی امریکہ کا بے تاج بادشاہ بنا۔ البرٹ آئن سٹائن کو بچپن میں اساتذہ نے کند ذہن کا خطاب دیا لیکن وہی آئن سٹائن جدید سائنس کا باپ بنا۔ آخر اس میں کیا راز ہے۔

چھٹی کے وقت سکول کے باہر ایک غبارے والا غبارے بیچ رہا تھا جب بچے اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو وہ ایک غبارہ ہوا میں چھوڑ دیتا اور سب بچے اس منظر کو دیکھ کر خوش ہوتے، غبارے والے کی طرف لپک پڑتے اور غبارے خریدنے لگتے جب سب بچے گھر کو چلے گئے اور غبارے والا بھی سامان سمیٹ کر جانے لگا تو اس کے پاس ایک چھوٹا حبشی بچہ آیا اور اس نے کہا " انکل انکل ایک سوال ہے" غبارے والے نے بڑے پیارے کہا تاؤ بیٹے کیا سوال ہے۔ بچے نے کہا " انکل اگر آپ یہ کالے والا غبارہ ہاتھ سے چھوڑیں تو کیا یہ بھی ہوا میں اڑے گا"۔ غبارے والا سمجھ گیا کہ بچہ احساس کمتری کا شکار ہے اس نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ " بیٹا غبارہ اپنے رنگ کی وجہ سے نہیں اُڑتا بلکہ غبارے کے اندر ایک گیس ہوتی ہے جو اسے بلندی کی طرف لے کر جاتی ہے" اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کن حالات میں ہیں، آپ کے پاس وسائل موجود ہیں کہ نہیں آپ کو ماحول کیسا میسر ہے اور آپ غریب ہیں یا امیر۔ اگر آپ کے اندر خود کو اونچا اُڑانے والے جذبات موجود ہیں تو آپ اپنی دنیا خود بنا سکتے ہیں۔

یہ اہم نہیں کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا بلکہ اہم یہ ہے کہ آپ نے کسی واقعہ پر کیسا رد عمل ظاہر کیا۔ دوسروں کا عمل آپ کے اختیار میں نہیں لیکن اپنا رد عمل آپ کے اختیار میں ہے۔ اس سے بڑی کسی کی کوئی بد قسمتی نہیں کہ کوئی اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ نہ اٹھا سکے۔ آپ کی صلاحیتیں بہت بڑا خزانہ ہیں انہیں نکھاریے۔ اس خزانے کو دل مت ہونے دیجئے۔ جذباتی مت ہیں کیونکہ اس سے آپ کی زندگی کا ریموٹ کنٹرول دوسروں کے ہاتھ چلا جائے گا پھر وہ آپ کا سودا کرتے رہیں گے۔ ذمہ دار بنئے کیونکہ دنیا کے کامیاب ترین لوگوں کی بڑی خوبی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے۔ وہ لوگ کے

شکوے کرنے کی بجائے کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ جو لوگ ہر وقت کوئی نہ کوئی مسئلہ لیے بیٹھے رہتے ہیں اصل میں مسئلہ اُن کے اپنے ذہن میں ہوتا ہے میرا یقین ہے کہ کوئی آپ کو کسی کام سے روک سکتا ہے تو وہ آپ خود ہیں۔ ترقی کرنے والے لوگ صرف ان چیزوں پر غور کرتے ہیں جو ان کے اختیار میں ہوتی ہیں اور وہ انھیں بدل سکتے ہیں۔ آپ اپنا رنگ، نسل، پیدائش کی جگہ، قد کاٹھ، والدین، ماضی کی غلطیاں، موسم، ملک کے حالات، بُرے رویے کسی جسمانی کمزوری کو نہیں بدل سکتے اس لیے ان چیزوں کو سوچنے کی بجائے آپ اپنے رویے، یقین، علم، صلاحیتیں اور دنیا کو خود بدلنے کا سوچیے۔ دشمن کو پسپا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خود کو طاقت ور کر لیا جائے۔ اہم یہ ہے آپ بُرے حالات میں کس رویے کا انتخاب کرتے ہیں کامیابی چانس کی بات نہیں بلکہ یہ تو چوائس کی بات ہے۔ ہیلن کیلر کی یہ بات میری میز پر جلی حروف میں لکھی ہے کہ

"قدرت نے مجھے بہت کچھ عطا کیا ہے اور میرے پاس یہ سوچنے کے لیے وقت نہیں ہے کہ مجھے کیا کچھ نہیں ملا۔"

اگر آپ خود اپنی حالت بدلنا نہیں چاہتے تو کوئی آپ کی حالت نہیں بدل سکتا۔ خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے "ہم نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جو خود اپنی حالت بدلنا نہیں چاہتی"۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر، لاکھوں ولی اللہ، ہزاروں مصلح اور سینکڑوں بڑے لوگ بھی اُن کی حالت نہیں بدل سکے جو خود اپنی حالت بدلنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سگے چچا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھنے کے باوجود بھی آپ ﷺ اور اللہ پر ایمان نہ لائے اور ابو جہل کہلوائے۔ اس لیے پہلے اپنے اندر ایک جذبہ پیدا کیجئے کہ آپ نے اپنی حالت اور اپنی سوچ کو بدلنا ہے۔ آپ بدلے تو گھر والے خود بدل جائیں گے گھر سے محلہ اور علاقہ بدلتا رہے گا اس لیے ہر چیز کو نظر انداز کر کے پہلے خود کو بدلیں۔

سخت اور سرد پتھر

انسان کی آنکھ کے آنسو اور دل کا نرم ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہے۔ تکالیف اور مشکلات کا بار بار سامنا انسان کو مضبوط بھی بنا سکتا ہے اور کمزور بھی۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں لیکن یہی مشکلات و مصائب اگر آپ کو ایک سخت دل اور بے حس انسان بنا رہی ہوں تو آپ اپنی حالتِ زار پر نادم ضرور ہوں۔ ہمارے احباب میں سے ایک صاحب اپنے خیالات کو بیان کرتے ہوئے شدید بے حسی کا مظاہرہ کر رہے تھے انھوں نے لاہور ہائی کورٹ بم دھماکے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا خدا نے ان کی زندگی محفوظ رکھی اور اب وہ اس بم دھماکے کی روداد کے تبصرے جگہ جگہ زیرِ بحث لا رہے تھے۔ ان کی باتوں میں شہید ہونے والے جوانوں کے لیے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ کیونکہ وہ بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ پولیس والے کرپٹ ہوتے ہیں اُن کی نظر میں ان کے لہو کی کوئی قیمت نہ تھی لیکن ان کے سرد جذبات کو دیکھتے ہوئے مجھ سے رہا نہ گیا میں نے کہا "سر میں آپ کی رائے کا احترام کرتا ہوں لیکن یہ سوچنے کہ ایک پولیس والا ہونے سے پہلے ایک انسان ہے اور انسان کے دکھ اور تکلیف کو ایک انسان ہی بہتر سمجھ سکتا ہے" لیکن ان کے پاس کوئی ہمدردی نہیں تھی سو مجھے وہاں سے اٹھنا پڑا کیونکہ کثیف ماحول آپ کی لطافت کو مسخ کر دیتا ہے اور خیال کی لطافت ایک قیمتی سرمائے سے کم نہیں۔

انسان کا ذہن بھی ایک گہرے تالاب کی مانند ہے جب بھی کوئی متاثر کن بات یا واقعہ کنکر بن کر اس تالاب میں گرتا ہے تو تا دیر لہریں جذبات کے کناروں کو چھوتی رہتی ہیں۔ واپسی کے تمام راستے میں اسی ہمدردی اور احترام کی لہریں میرے جذبات کو گرماتی رہیں۔ اب میری گاڑی مال روڈ سے جی پی او کی طرف مڑ رہی تھی اور میرے بائیں طرف فٹ پاتھ پر شہید پولیس نوجوانوں کو خراج عقیدت پیش کرنے والوں نے بینرز، لاتعداد گلدستوں اور گلاب کے پھولوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ ایک انجان طاقت نے میری گاڑی کو روک دیا اور میں گاڑی سے باہر نکل آیا۔ ان پھولوں کے ڈھیر کے پاس کافی دیر گم صم کھڑا رہا۔ میرا جذبات کی لہروں پر اختیار ختم ہو گیا اور وہ لہریں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے آنکھوں کے رستے باہر آنے لگیں۔ اب میں رک نہیں سکتا تھا اس لیے واپس مڑنے ہی لگا کہ ایک خیال نے روک دیا کہ اپنے ان بھائیوں جن کے خون کا رنگ مجھ سے ملتا تھا اور جو میرے اللہ اور میرے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کلمہ پڑھتے تھے، کے لیے میرے پاس پھولوں کا تحفہ تو ہے ہی نہیں اس لیے مجھے وہ سفید رومال جسے میرے آنسوؤں نے تر کر دیا تھا وہاں بڑی عقیدت اور احترام سے رکھنا پڑا کیونکہ اس سے بڑھ کر اس وقت میرے پاس کوئی نذرانہ نہ تھا۔

آقائے دو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''مسلمان جسدِ واحد (جسم) کی مانند ہیں۔ اگر جسم کا ایک حصہ درد میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرا حصہ بھی اس درد کو محسوس کرتا ہے'' لیکن آج کی حالت دیکھیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے ہماری ہمدردیاں اور حوصلہ افزائیاں بھی تعصب و تفریق کا شکار ہیں۔ ہم ہمدرد بھی مفاد کی خاطر ہیں اور مہربان بھی غرض کے لیے ہیں بس یہی عذاب ہے۔ شاید بے حسی ہماری عادت کا حصہ بن چکی ہے ایک محافظ کی موت، موت نہیں شہادت ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ ان کی موت قوم کو حیات بخشتی ہے اس لیے جب آپ کسی کے درد کو محسوس کرتے ہیں تو آپ ایک جسدِ واحد ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ہم چند افراد کے غلط ہونے پر پورے محکمہ کو غلط قرار نہیں دے سکتے۔ یہی پولیس والے اپنی عید اور تہوار کی خوشیوں کو برباد کر کے آپ کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ آج اگر یہ محکمہ متحرک نہ ہو تو شاید ہر پہلا فرد ظالم اور دوسرا فرد ڈاکو بن جائے مسئلہ تو نظام میں ہے۔ درخت کو بنجر زمین پر لگائیں، پھل تو دور کی بات درخت خود اجڑ جائے گا۔ ایک شخص اپنی جان کی بازی لگا کر آپ لوگوں کو محفوظ رکھے اور آپ اس کو عزت کی نگاہ سے نہ دیکھیں یہ تو زیادتی اور ناانصافی ہے کیا جو شہید ہوئے ان کے بیوی بچے نہیں ہوں گے؟ کیا انھوں نے شام کو گھر واپس جانے کے خواب نہیں دیکھے ہوں گے؟ کیا ان کو اپنی زندگی عزیز نہیں ہوگی؟ اور کیا وہ کسی ماں کے بیٹے نہیں ہوں گے؟

خدا کے لیے آپ انسان کو انسان ہونے کے ناطے سے پیار کریں آپ افسر، تاجر، ملازم، وکیل، دکاندار، استاد اور سیاست دان بعد میں ہوں گے پہلے تو آپ انسان ہیں انسان کا احترام کرنا ہی عبادت ہے۔ سب کی سلامتی کی دعا مانگنا ہی اصل سلامتی ہے۔ کیونکہ سب سلامت ہیں تو ہم سلامت ہیں۔ اپنے دل میں ہمدردی اور نرم دلی کے جذبات کو جگہ دیں کیونکہ یہ انسان کی فضیلت ہے کہ وہ اپنی بے بسی کا خدا کے سامنے اقرار کرلے ورنہ ہمدردی کے جذبات کے بغیر ہم فقط ایک سخت اور سرد پتھر بن جائیں گے جو کسی بھی وقت کسی بھی جگہ کسی اجنبی کی ٹھوکر کا شکار ہو جاتا ہے۔

OO

ناکامی کی وجوہات

اس دنیا میں زیادہ تر لوگ ناکام اور بہت کم لوگ کامیاب ہیں۔ دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ قوانین اور اصول بنائے ہیں جن کے مطابق کچھ بھی خود بخود نہیں ہوتا۔ ہر واقعہ کی کوئی وجہ ہے اور ہر منظر کا ایک پس منظر ہے۔ لوگ غور و فکر کرنے کے عادی نہیں اس لیے وہ ناپسندیدہ واقعات کا رونا روتے رہتے ہیں اور ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی اصل وجہ دریافت کیے بغیر وہ ہر کام کی تکمیل کو قسمت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کامیاب ہونا آپ کا شعوری انتخاب ہے لیکن ناکامی لاشعوری طور پر آپ کے مقدر کا حصہ بن جاتی ہے۔ جس طرح کامیاب ہونے کے لیے مخصوص فلسفہ اور نظریات درکار ہیں اسی طرح ناکامی بھی بے وجہ آپ کے حصے میں نہیں آتی۔ ناکام انسان کی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی ناکامی کی وجوہات جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انمول تحفہ ہے اس کی قدر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ زندگی گزارنے کے فن سے آشنا ہوں۔

کہتے ہیں ایک دانش ور صبح صبح جنگل سے گزر کر شہر جا رہا تھا راستے میں اس نے ایک لکڑہارے کو دیکھا جو اپنے آرے سے ایک درخت کاٹ رہا تھا۔ شام کو جب دانش ور واپس آ رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ لکڑہارا شام کو بھی اسی درخت کو کاٹنے میں مصروف ہے۔ دانش ور نے ہمدردی کے انداز میں لکڑہارے سے پوچھا کہ "بھائی پورا دن

گزرنے کے باوجود آپ سے درخت کیوں نہ کٹا''؟ لکڑہارا نظرانداز کرنے کے انداز
میں بولا کہ ''میرا آرا تیز نہیں'' دانش ور نے کہا ''تو پھر جناب آپ نے تھوڑی دیر رک کر
آرے کو تیز کر لیا تھا''۔ لکڑہارا بولا ''میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا'' دانش ور نے بڑے
احترام سے عرض کیا کہ ''میرے بھائی اگر تو صبح کام شروع کرنے سے پہلے تھوڑا سا
وقت نکال کر آرا تیز کر لیتا تو آج کے دن کی محنت کے بدلے تو کئی درختوں کی لکڑی
حاصل کر لیتا'' زندگی گزارنے کے گر بھی اسی حکایت میں چھپے ہیں۔ اگر ہم جوانی کے
دنوں میں ایک بار منظم طریقے سے محنت کر لیں تو آیندہ وقتوں میں زندگی سے بہت کچھ
حاصل کر سکتے ہیں۔ وقت کی محنت آپ کو بے وقت کی حسرت اور پریشانی سے بچاتی
ہے۔ بڑے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی ابتدا آپ کو جوانی سے کرنا پڑے گی۔
آج کے دنوں کی سختیاں کسی وقت کے آرام و سکون کا باعث بنیں گی۔ ناکام لوگ اپنی
زندگی کے بہترین وقت (جوانی) کو مزے سے گزار دیتے ہیں اور آیندہ دنوں میں
قسمت کا رونا روتے ہیں۔ کامیاب لوگ وقت پر سخت محنت کرتے ہیں، تکلیفوں کو
برداشت کرتے ہیں اور مستقبل میں اپنی محنت کا صلہ پاتے ہیں۔

ناکام لوگ اپنی زندگی کے مقصد سے آشنا نہیں ہوتے۔ دوسرے الفاظ میں وہ خود
سے آشنا نہیں ہوتے کہ وہ کون سے کام ہیں جن کو وہ بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتے
ہیں۔ ناکام لوگوں نے اپنے مقاصد (Goals) کو طے نہیں کیا ہوتا اس لیے انھیں وہ
کام کرنا پڑتے ہیں جن کے متعلق انھوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔ ناکام لوگ یہ نہیں
جانتے کہ انھوں نے زندگی کے بدلے میں کیا کچھ حاصل کرنا ہے۔ وہ فقط کھانے،
پینے، سونے، جاگنے اور آخر کار مر جانے کو زندگی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زندگی ایک تلاش اور
جستجو کا نام ہے۔ ناکام لوگ بددیانتی کے بھی عادی ہوتے ہیں حالانکہ کامیابی کے لیے
اگر کوئی لازم و ملزوم صفت ہے تو وہ دیانتداری ہے۔ کامیابی کا کوئی شارٹ کٹ نہیں۔ یہ
ایمان داری سے حاصل ہوتی ہے۔ ناکام انسان سمجھتا ہے کہ بے ایمانی سے وہ بہت جلد

کیا لے گا۔ حقیقتاً انسان پوری زندگی میں سب سے زیادہ بے ایمانی خود اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنا ہی ہے تو مت مانگیں کیونکہ جب کسی کی مت ماری جاتی ہے تو اسے یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ میرے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔

بے شمار لوگ ایک دو بار ناکام ہونے کے بعد دل ہار جاتے ہیں۔ لوگ ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر جدوجہد کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور یہی ان کی ناکامی کی وجہ ہوتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسان کو اس کی کامیابیاں سبق نہیں سکھاتیں لیکن انسان اپنی ناکامی سے ضرور سبق سیکھ سکتا ہے۔ ناکامیوں سے سبق سیکھنے والا شخص ناکامیوں کی وجہ جان لیتا ہے اور آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ناکام شخص ناکامی کی وجہ جاننا ہی نہیں چاہتا۔ ناکامی کی ایک بہت بڑی وجہ ضبط نفس کی کمی (Lack of self discipline) ہے۔ خود پر مکمل اختیار حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے حالات اور ماحول کو اثر انداز کر سکتے ہیں۔ ناکام شخص سب کچھ بدلنا چاہتا ہے لیکن خود کو بدلنا نہیں چاہتا اس لیے وہ ناکام ہی رہتا ہے۔ ناکام لوگوں کی زندگی میں جوش و جذبہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس کامیاب لوگ جنون کی داستان لکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ کامیاب ہونے کی فقط خواہش ہی نہیں رکھتے بلکہ انھیں کامیاب ہونے کا جنون ہوتا ہے۔ کامیاب لوگوں کے بڑے بڑے خواب ہوتے ہیں جو انھیں چین نہیں لینے دیتے۔

ناکام لوگ پرائز بانڈ، لاٹری، جیک لگنے، پرچی نکلنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں یہ سب کامیابی کے غلط ذرائع (Unfair Means) ہیں۔ کسی ایک چانس سے ملنے والی بڑی رقم کسی دوسرے چانس پر ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ کامیابی فقط دولت اور شہرت کا نام نہیں بلکہ کامیابی وہ ذہنی پختگی ہوتی ہے جو دولت اور شہرت کو سنبھال سکے اور یہ ذہنی پختگی طویل محنت اور صبر سے حاصل ہوتی ہے۔ ناکام لوگوں کو اپنا پیشہ اور کام ناپسند ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کا پیشہ انھیں عظمت اور ترقی نہیں دیتا وہ کام جو آپ کا پسندیدہ نہیں

وہاں آپ صرف وقت گزارتے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے کام سے محبت ہو جائے تو آپ کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہر فن مولا بننے کی کوشش کرتی ہے جبکہ کامیابی کسی ایک مخصوص شعبے میں ماہر ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چار طرح کی ڈگریاں لے کر آپ تعلیم یافتہ کہلائیں گے لیکن آپ صاحب علم کبھی نہیں بن سکیں گے۔

ہم فطرت لوگ اکٹھے رہنا پسند کرتے ہیں ناکام لوگوں کی دوستیاں بھی ناکام لوگوں سے ہوتی ہیں۔ بڑا مقصد رکھنے والا فرد کبھی بھی بے مقصد انسان کے ساتھ سکون نہیں پاتا۔ کامیاب لوگ دوستی اپنے ہم پلہ سے یا اپنے سے بہتر انسان سے بنانا پسند کرتے ہیں۔ ناکام لوگ دوسروں سے تعاون اور مدد حاصل نہیں کر پاتے کیونکہ یہ خود بھی کسی کی مدد نہیں کرتے اور لوگ ان کو ناپسند کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ جب کسی کی بہتری چاہتا ہے تو اس کے باطن کو اس کے اپنے سامنے آشکار (ظاہر) کر دیتا ہے"۔

اس سے بڑی کسی کے لیے کوئی سزا نہیں کہ اس کو اپنی ناکامی کی وجہ کا علم نہ ہو۔ آپ کامیاب ہونے کے لیے آج ہی اپنی ناکامیوں کی وجوہات دریافت کریں آپ حیران ہوں گے کہ ان وجوہات میں سے زیادہ تر وجوہات کو دور کرنا آپ کے اپنے اختیار میں ہے کیونکہ مالک کل کائنات نے آپ کو ہر اچھائی اور برائی کے انتخاب کی پوری پوری طاقت عطا کر کے یہ فرمایا:

"انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔

OO

خوف کامیابی کا سب سے بڑا دشمن

انسانی شخصیت کو تباہ و برباد کرنے والی اور کامیابی کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ خوف ہے۔ دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی خوف میں ضرور مبتلا ہوتا ہے۔ زیادہ تر لوگ حقیقی خوف کی بجائے فرضی خوف پال لیتے ہیں۔ یہ خوف اُن کی Self Respect کو ختم کر دیتا ہے اور Self Respect کی کمی ذاتی بہتری کے عمل (Process of Self Development) کو روک دیتی ہے۔ خوف زدہ انسان کو اپنی ذات پر اعتماد نہیں ہوتا۔ نیم حکیم، عامل باوے اور فراڈیے لوگوں کے خوف اور کمزوریوں سے آشنا ہوتے ہیں اس لیے وہ لوگوں کے ڈر اور خوف کو Cash کرتے ہیں۔ تقریباً ہر حکمران (Dictator) عوام پر خوف مسلط کر کے حکمرانی کرتا رہا ہے۔ خوف قوموں کے مستقبل کو بھی تاریک بنا دیتا ہے۔ خوف زدہ عوام اپنے بنیادی حق مانگنے سے بھی ڈرتی ہے۔ اگر آپ خوف کو دور نہیں کرتے تو یہ آپ کی تمام صلاحیتوں کو کھا جاتا ہے۔ کامیاب لوگ خطرہ مول لینے کے عادی ہوتے ہیں۔ اُن کو بے شمار دفعہ مالی خطرہ (Financial Risk) کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ خوف زدہ رہنے کے عادی ہوں تو وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہوں۔ وہ خوف اور ڈر کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف غریب کو ہی زیادہ ڈر ہوتا ہے لیکن ماہرین کی ایک ریسرچ کے مطابق امیر لوگوں میں غریب اور مفلس ہونے کا ڈر غریبوں

سے کئی گنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

آپ کا ذہن ایک توانائی گھر (Power House) کی مانند ہے۔ اگر آپ خوف زدہ ہوں تو ساری توانائی خوف پر صرف ہو جاتی ہے اور آپ کو مثبت اور پر امید سوچ فراہم کرنے کے لیے ذہن کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ خوف زدہ انسان اگر بڑی ہمت دکھا کر گھر سے پانی پت کی جنگ (مراد زندگی کی بڑی جنگ) لڑنے نکلے تو محلے کی لڑائی لڑ کر گھر واپس آجاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ آپ بہت بڑی منزل کے مسافر بن کر سفر پر جا رہے ہوں اور راستے میں ایک کتا آپ کو پڑ جائے، آپ رستہ لیے کی بجائے الٹا کتے کو پڑ جائیں اور منزل کو بھلا دیں۔ خوف منزل کو چھپا دیتا ہے۔ اس لیے آپ کا محنت کرنے کو دل نہیں چاہتا اور آپ ناامید ہو کر ناکام ہو جاتے ہیں۔ کئی لوگ تو زندگی کی ناکامیوں سے اتنا دل برداشتہ ہوتے ہیں کہ خودکشی کا اقدام کرتے ہیں اور اس میں بھی ناکام ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ اپنی توجہ خوف سے ہٹا کر مقصد اور منزل کی طرف لگا دیں تو خوف دور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ خوف در حقیقت ایک ذہنی کیفیت اور حالت کا نام ہے اور اس کیفیت اور حالت کو بدلا جا سکتا ہے۔ ذہن آپ کی مرضی کے مطابق تب کام کرتا ہے جب آپ ذہن کو خوف کی طرف راغب ہونے سے بچائیں اور توجہ درست رستے کی طرف لگا دیں۔ حالت خوف میں ذہن کے خلیوں کو پورا خون اور آکسیجن نہیں ملتی اس لیے وہ بہتر طور پر اپنا (Function) ادا نہیں کر سکتے۔ پر سکون رہنے سے نئے نئے خیالات اور مواقع آپ کی طرف بڑھتے ہیں۔ حساس طبیعت کے لوگوں میں تصور کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اس لیے وہ چھوٹے چھوٹے مسائل کو بڑا کر کے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے بے شمار فرضی خوف پال رکھے ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو تو وہ ایک فرضی مسئلہ پیدا کر لیتے ہیں ان کے لیے کہا جاتا ہے کہ:

"No problem is a problem".

یہ لوگ ہر نئے واقعہ پر اپنی توجہ خطرے اور خوف کی طرف مبذول کر دیتے ہیں۔ اُن کے خیال میں ہر شخص ان کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور ہر بیماری ان کی جان لے سکتی ہے۔ بدگمان شخص جنت میں بھی ہو تو خوف زدہ پھرتا رہتا ہے۔ اس لیے بدگمانی سے ہمارے مذہب نے منع فرمایا ہے۔ ماہرین کی ایک ریسرچ کے مطابق ہمارے 98% خدشات بے معنی اور فرضی ہوتے ہیں۔ 2% خدشات پورے ہو جاتے ہیں لیکن وہ نقصان دہ نہیں ہوتے۔ کہتے ہیں کہ اپنے خوف پر فتح پا کر آپ دنیا فتح کر سکتے ہیں۔

عام طور پر انسان کی ترقی کو روکنے والے چھ طرح کے خوف ہوتے ہیں:

1۔ غریب ہو جانے کا خوف

2۔ موت کا خوف

3۔ بیماری کا خوف

4۔ تنقید اور بے عزتی کا خوف

5۔ کمزور ہو جانے کا اور بڑھاپے کا خوف

6۔ محبت کھو جانے کا خوف

سب لوگوں میں یہ تمام خوف موجود ہوتے ہیں لیکن کوئی ایک خوف شدت حاصل کر لیتا ہے۔ عام طور پر اُس خوف کی وجہ بچپن کے کچھ واقعات ہوتے ہیں۔ ایک آدمی عمر کے لحاظ سے جوان اور بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اُس کے خوف کے حوالے سے جذبات بچپن والے ہی رہتے ہیں۔ ماہرین نفسیات خوف کو ختم کرنے کے لیے مریض کی History معلوم کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ خوف زدہ انسان کے نظریات اور عقائد غیر پختہ ہوتے ہیں۔ وہ اُن کو بدل دیتے ہیں اور خوف دور ہو جاتا ہے۔ لاعلمی (Lack of awareness) خوف پیدا کرتی ہے۔ زندگی کے جس شعبے کے حوالے سے آپ خوف زدہ ہیں اس شعبے کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں آپ کا خوف دور ہو

جائے گا۔ جس کام کو کرنے کے حوالے سے آپ خوف زدہ ہوتے ہیں اگر آپ اس کو سرانجام نہ دیں اور اس سے کنارہ کشی کریں تو آپ کا خوف بڑھتا جاتا ہے۔ ایک دوبار ہمت کر کے اس کام کو کریں آپ کا خوف ختم ہو جائے گا۔ تیراکی (Swiming) کی کتابیں پڑھنے سے تیراکی نہیں آتی بلکہ اس کے لیے پانی میں چھلانگ لگانا پڑتی ہے۔

بہادری کا قطعی مفہوم یہ نہیں ہے کہ ڈر اور خوف کا احساس تک نہ ہو۔ اس طرح تو دنیا میں کوئی بھی بہادر نہیں ہے۔ ڈر سے مکمل طور پر بے نیاز کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ بہادر وہ ہے جو خوف کے باوجود خود کو کوشش جاری رکھنے پر مجبور کرے۔ کوئی خاص دن منتخب کریں اور اس دن بے خوف ہو کر گھومیں پھریں۔ ایک دن کے لیے "بن باس" لینے میں کوئی حرج نہیں۔ والدین کے لاڈلے بچے ایک دوبار ناکامی کا سامنا کر کے اتنا خوف زدہ ہوتے ہیں کہ خطرے (Risk) کے نام سے گھبرا جاتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی عملی زندگی میں مکمل طور پر ناکام ہو جاتے ہیں۔

"میں نے سنا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ خود ہی رزق بانٹنے کا ذمہ دار ہے اس لیے میں خوف زدہ نہیں ہوتا۔"

اپنا نقطہ نظر اور انداز فکر بدلیں، ذہن کو وسعت دیں، زندہ دل ہو کر جئیں، کبھی بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں، باہمت ہونے کی ایکٹنگ کریں۔ اپنے ڈر اور خوف کے حوالے سے کسی مخلص دوست سے رائے لیں، حقیقت پر مبنی سوچ اپنائیں اور اپنے خوف کی اصل وجہ کو جانیں۔ اس طرح آپ خود اعتمادی حاصل کر لیں گے اور آپ کا خوف ختم ہو جائے گا۔ ہمیشہ یاد رکھیں جو اللہ سے ڈرتا ہے اسے کوئی نہیں ڈرا سکتا اور جو دل میں خدا کا خوف نہ رکھتا ہو اسے ایک معمولی سا خوف فنا کر کے رکھ دیتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبال)

دولت سے محبت یا نفرت

ہر کوئی دولت مند ہونا چاہتا ہے اور دولت مندوں سے نفرت کرتا ہے۔ لوگ دولت اور روپے پیسے کے حوالے سے بڑے حیران کن نظریات رکھتے ہیں۔ بے شمار لوگ کہتے ہیں کہ دولت سے رشتوں کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ دولت فرعون کا ورثہ ہے، دولت انسان سے دل کا سکون چھین لیتی ہے، دولت مند خدا کو بھول جاتا ہے اور دولت انسان کو سخت دل بنا دیتی ہے۔ دولت سے آپ کتابیں خرید سکتے ہیں لیکن علم نہیں خرید سکتے، دولت سے نرم بستر حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن نیند آپ کا مقدر نہیں بن سکتی، دولت سے بے شمار تعلقات بنائے جا سکتے ہیں لیکن ایک سچا دوست دولت سے نہیں ملتا، دولت سے دوائی اور خوراک خریدی جا سکتی ہے لیکن صحت نہیں خریدی جا سکتی، دولت سے ہم عینک خرید سکتے ہیں لیکن نظر نہیں خرید سکتے۔ دولت مند پوری دنیا فتح کر سکتا ہے لیکن ساتھ بیٹھے انسان کا دل فتح کرنا اُس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔

"دو بھوکے بھیڑیے جنھیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے وہ بھیڑوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ دولت اور مرتبہ کی لالچ انسان کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔" (حدیث شریف)

غور و فکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دولت بذات خود بُری چیز نہیں بلکہ دولت کی محبت اور لالچ بہت بُری ہے۔ دولت کی ہوس انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ لوگ مال جمع

کرتے ہوئے اپنے بیگانے کو بھول جاتے ہیں۔ دولت کے بھوکے کو کبھی حقیقی راحت حاصل نہیں ہوتی۔ بہت سے ارب پتی لوگ ایسے ہیں جن کو سکون کی نیند نصیب نہیں ہوتی اور اُن کے گھر اُن کی عدم توجہ کے باعث تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دولت کے مالک نہیں ہوتے بلکہ دولت ان کی مالک ہوتی ہے۔ یہ خود کو محفوظ کرنے کے لیے مال جمع کرتے ہیں اور خود مال کی حفاظت کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے خزانے تب زمین سے باہر آتے ہیں جب یہ خود زمین کے نیچے دفن ہو جاتے ہیں۔ بہترین دولت وہ ہے جس کو آپ اچھے مقاصد میں استعمال کریں۔ دولت ہمیں خدا کے روبرو سرخرو کر سکتی ہے بشرطیکہ ہم اسے ایسے کاموں میں لگائیں جس سے مخلوق خدا کا بھلا ہو ورنہ دولت آپ کے لیے آزمائش ہے۔ وہ دولت جو آپ کے اور دوسروں کے استعمال میں آ رہی ہے وہ ایک نعمت ہے۔ دولت کی فراوانی سے آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور دولت کے نہ ہونے سے لوگ اُس کو بھول جاتے ہیں۔ دولت آپ کی خادم اور مددگار بھی ہے۔ اچھا امیر ہونا غریب ہونے سے بدرجہ بہتر ہے۔ دولت مند بن کر آپ بے شمار ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔ دولت سے آپ حج کر سکتے ہیں۔ دولت سے فلاحی ادارہ اور مسجد تعمیر کروائی جا سکتی ہے۔ اگر حضرت عثمان غنیؓ دولت مند نہ ہوتے تو وہ مسلمانوں کے لیے کبھی بھی کنواں نہ خرید سکتے۔ دولت سے دین کی اشاعت بھی ممکن ہے اور کسی غریب کو کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے۔

"غربت انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔" (حدیث شریف)

نہایت خوشحالی اور نہایت بدحالی برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ جسے خدا ذلیل کرنا چاہتا ہے وہ دولت کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ نادان لوگ دولت کے لیے دل کا سکون کھو دیتے ہیں۔ جبکہ دانشمند دل کے سکون کے لیے دولت لٹا دیتے ہیں۔ پیسہ اور مال دولت نہیں ہوتا بلکہ پیسے کو خرچ کرنے کی ہمت دولت کہلاتی ہے۔

مالی طور پر آسودہ انسان یا مال سے بے نیاز انسان تعمیری کام کر سکتا ہے۔ غریب تو

بیچارہ مسائل کا مارا ہوا ہوتا ہے وہ کسی کا کیا بھلا کرے گا۔ پیسے اور دولت کے حوالے سے آپ اپنے نظریات اور عقائد کو بدلیں۔ دولت زندگی کی آسائشوں اور سہولیات کے لیے بہت ضروری ہے اس سے آپ اپنے من پسند نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن دولت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو حسنِ خلق میں بڑھ جایئے کیونکہ خوبی اور نیکی دولت سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ دولت خوبی اور نیکی سے وجود میں آتی ہے۔ آپ کا سچا اور باکردار ہونا بہت بڑی دولت ہے۔ دولت چلی جائے تو پھر حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر گئی عزت و آبرو دوبارہ ہاتھ نہیں آتی۔ یاد رکھیں فتح دولت اور طاقت کی نہیں بلکہ صداقت کی ہوتی ہے۔

"رزق دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جسے آپ تلاش کر رہے ہیں اور دوسرا وہ جو آپ کو تلاش کر رہا ہے۔" (حضرت علیؓ)

OO

امیر یا غریب ہونے کی بنیادی وجوہات

آپ امیر ہیں یا غریب، کامیاب ہیں یا ناکام یہ سب آپ کے سوچنے کے انداز پر منحصر ہے۔ آپ کی بیرونی دنیا آپ کی اندرونی دنیا کا عکس ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ: "جو اپنے اندرونی حالات کو درست کر لیتا ہے خدا اس کے بیرونی حالات کو بہتر کر دیتا ہے۔"

اس دنیا میں نہ کوئی امیر ہے اور نہ ہی کوئی غریب یہ سب اپنا اپنا خیال ہے۔ خیال مغلوب اور بے کار ہو تو انسان غریب ہے۔ اعلیٰ خیال اور سوچ آپ کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔ اپنے سے کم درجے والے سے موازنہ کیا جائے تو آپ امیر ہیں اور اگر خود سے بڑے مرتبے والے سے موازنہ کیا جائے تو آپ ایک غریب انسان ہیں۔ غریبوں کی بستی میں متوسط کو امیر سمجھا جاتا ہے۔ اور امیروں کی بستی میں متوسط کو غریب خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی دوسروں سے موازنہ ہی آپ کو غریب یا امیر بناتا ہے۔ ورنہ سب سے بڑی غربت یہ ہے کہ آپ خود کو ضرورت مند اور غریب تصور کریں۔

کامیابی کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق خوشحال اور خوشحالی حاصل کرنے والوں کی سوچ بدحال اور بدحالی کی طرف جانے والوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ اگر ہم بھی ویسا ہی سوچنے کا انداز اپنا لیں تو خوشحالی اور کامیابی ہمارا مقدر بن سکتی ہے۔

Rorbert T. Kiyosaki نے طویل غور و فکر کے بعد ایک شاندار کتاب Rich

Dad Poor Dad تحریر کی جس میں اُس نے یہ حقیقت واضح کی کہ دولت مند اور کامیاب لوگ خوشحال اور کامیابی کے بارے میں اپنے بچوں کو کیا سکھاتے ہیں؟ جو غریب اور درمیانے طبقے کے لوگ نہیں سکھا پاتے۔ یہ کتاب امیر اور غریب کی سوچ کے تضاد کو بھی آشکار کر دیتی ہے۔ اس کتاب کے متعلق بین الاقوامی شہرت یافتہ مصنف Zig Ziglar نے کہا کہ:

''اپنی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے آپ کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ یہ آپ کے مالی مستقبل Financial Career کو روشن بنا سکتی ہے''۔

نیشنل چیک آف امریکہ کے صدر Sobran نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

''کاش میں نے یہ کتاب جوانی میں پڑھی ہوتی بلکہ بہتر ہوتا کہ میرے والدین اس کتاب کا مطالعہ کرتے''

مصنف کے افکار حقیقت پر مبنی ہیں ان کو ہم کچھ اس طرح ترتیب دے سکتے ہیں۔

1۔ خوشحال اور امیر لوگ اپنی زندگی کی ناکامیوں، غلطیوں اور نادانیوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کی اصلاح کر کے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ غریب اپنی ناکامی کی داستان کا ذمہ دار، حالات، واقعات، ماحول والدین اور قسمت کو ٹھہراتا ہے۔ وہ ان سب چیزوں کو نہیں بدل سکتا اور ناکام ہو جاتا ہے۔

''آپ خود پر اختیار رکھے بغیر دنیا پر اختیار حاصل نہیں کر سکتے دنیا فتح کرنے سے پہلے خود کو فتح کرنا پڑتا ہے''

2۔ امیر اور کامیاب شخص نے ہر صورت امیر اور کامیاب ہونے کا عہد کیا ہوتا ہے۔ وہ کامیابی کے لیے جنونی ہوا ہوتا ہے جبکہ غریب لوگ صرف امیر ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور خالی خواہش سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک مضبوط عہد اور اٹل فیصلہ آپ کو عمل اور کوشش پر ابھارتا ہے۔ خواہشات تو سب کے پاس ہوتی ہیں۔

بے عمل دل ہو تو جذبات سے کیا ہوتا ہے
دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے
بے عمل لازمی تکمیل تمنا کے لیے
ورنہ رنگین خیالات سے کیا ہوتا ہے

یہ ایک آفاقی اصول ہے کہ جب آپ دل سے کسی چیز کو پانے کی خواہش کرتے ہو. کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کو اُس سے ملانے کی سازش کرتا ہے۔

3۔ کامیاب لوگ ہر میدان میں جیتنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ غریب اور ناکام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں ہار کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسی طرح لائق طالب علم اعلیٰ نمبر حاصل کرنے کا سوچتا ہے اور پوزیشن حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے جبکہ نالائق صرف اور صرف پاس ہونے کے لیے کتابیں کھولتا ہے۔

4۔ امیر لوگ بہت سی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے وہ اپنی خواہشات کو پورا کریں اور من پسند زندگی گزار سکیں۔ غریب بے چارہ حق کا مارا صرف اتنے پیسے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ گھر کے بل ادا ہو سکیں۔

5۔ کامیاب اور خوشحال لوگ بڑے بڑے مقاصد رکھتے ہیں اور بڑے مقاصد ان کے اندر جوش و جذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ غریب لوگ اول تو کوئی واضح مقصدِ حیات نہیں رکھتے اور اگر کوئی ہدف ہوتا بھی ہے تو وہ اتنا پست کہ اُس میں جذباتی کیفیت نہیں پائی جاتی اور وہ مقصد ان کو عمل پر نہیں ابھارتا۔

6۔ امیر لوگوں کو اچھے مواقع تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ غریب گھر بیٹھ کر قسمت کی دیوی کا انتظار کرتا ہے جو کبھی مہربان نہیں ہوتی۔

7۔ کامیاب اور امیر لوگوں کو اپنی صلاحیتوں پر مکمل یقین ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے مختلف مراحل میں خود کو Test کر چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ خود اعتماد ہوتے

ہیں۔ غریب اپنی ذات کے اندر چھپے خزانے سے واقف نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی صلاحیتوں کو سستے داموں فروخت کر کے گزر بسر کرتا ہے۔

''اگر مال و دولت کو سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے تو بھی تمام انسانوں کی عقل برابر نہیں ہوگی اور اگر عقل برابر ہو جائے تو کوئی کسی کا ملازم بننے پر تیار نہیں ہوگا اور کوئی کسی کو بادشاہ نہیں مانے گا۔''

8۔ دولت مند لوگوں کی توقعات بہت بڑی ہوتی ہیں اور غریب کو خوشحالی کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس کو اچھے کی امید نہیں اس کے ساتھ یقیناً برا ہی ہوتا ہے۔

توقعات Expectations بہت بڑی طاقت رکھتی ہیں۔ یہ حالات کو جنم دینے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اچھی توقع آپ کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

9۔ امیر لوگ خوشحال لوگوں کے ساتھ دوستی کرنا پسند کرتے ہیں۔ خوشحال دوست ان کی خوشحالی کے لیے سازگار ماحول فراہم کرتا ہے اور ان کی خوشحالی کو مستحکم رکھنے کے لیے مددگار ہوتا ہے۔

غریب کے دوست بھی غریب ہوتے ہیں اور ان دوستوں کی سوچ بھی غریب ہوتی ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں: ''عقاباں دے یار عقاب تے کاواں دے یار کاں'' یعنی عقاب ایک عقاب سے ہی دوستی کرنا پسند کرتا ہے اور کوے کووں کے ساتھ خوش رہتے ہیں۔

10۔ امیر اور کامیاب لوگ مسائل اور رکاوٹوں سے نہیں گھبراتے۔ وہ انہیں کامیابی کے رستے کے لیے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ وہ باد مخالف سے پیار کرتے ہیں کیونکہ وہ انہیں اونچا اڑاتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک پرسکون سمندر کبھی اچھا ملاح پیدا نہیں کرتا۔ غریب لوگ مسائل اور پریشانیوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے وہ کامیابی سے بھی ہمیشہ کے لیے رہ جاتے ہیں۔

11۔ خوشحال لوگ اپنی مناسب عمر سے ہی پیسے کو Save کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ غریب اول تو پیسے کماتا ہی اتنے ہے جتنا اس کی ضروریاتِ زندگی کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن اگر کبھی اس کے پاس زیادہ پیسے ہوں تو وہ انہیں فضول کاموں میں اُڑا دیتا ہے۔ اس کا کُل اثاثہ غربت ہوتی ہے۔

"ناکام نے سوچا کہ قطرے سے کیا بنتا ہے
کامیاب بولا قطرہ قطرہ ملے تو دریا بنتا ہے"

12۔ امیر لوگ زندگی کے ابتدائی دن سخت محنت سے گزارتے ہیں۔ اور آخری دنوں میں اپنے زندگی کے پھلوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ غریب ساری زندگی کولہو کے بیل کی طرح محنت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس نے زندگی میں ایک بار بھی غیر معمولی کوشش اور جدوجہد نہیں کی ہوتی۔

"بخارات کو پانی کے دوسرے ذرات کی نسبت زیادہ حرارت جذب کر کے اور پانی کی سطح کو پھاڑ کر باہر آنا پڑتا ہے لیکن ایک بار اس کوشش کے بعد وہ بلندی پر ہوتے ہیں"

اگر آپ کو سونے کی بالی پہننے کا شوق ہے تو کان میں سوراخ ضرور کروانا پڑے گا۔

13۔ امیر کو دولت سے دولت بنانے کے فن کی آگہی ہوتی ہے۔ غریب کا اگر کروڑوں کا بانڈ نکل آئے تو وہ چند سالوں میں اس دولت کو اجاڑ دیتا ہے اور پھر فٹ پاتھ پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے۔ کہ دولت حاصل کرنا کوئی خوبی نہیں بلکہ دولت اور کامیابی کو برقرار رکھنا ایک بہت بڑی صفت ہے۔

14۔ کامیاب لوگ خود کو علم، مہارت، فن اور تعلیم کی مدد سے قیمتی بناتے ہیں۔ غریب ہمیشہ یہ سوچا کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اسے کتاب سے دوستی کی کیا ضرورت ہے

یاد رکھیں اس دنیا میں صرف ایک چیز ہے جو آپ کے حالات کو بدل سکتی ہے۔ وہ

بندہ اگر چاہے تو آپ کو تاریکی سے روشنی، پستی سے بلندی، مایوسی سے خوشحالی اور ناامیدی سے کامیابی تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ کوئی اور نہیں آپ خود ہو۔ آپ بااختیار ہیں کہ آپ خوشحال ہوں، آپ امیر ہوں اور آپ کامیاب ہوں اگر آپ بااختیار نہ ہوتے تو قرآن میں یہ واضح فرمان الٰہی نہ ہوتا کہ ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے۔ جس کی وہ کوشش کرتا ہے''

کامیاب اور امیر بننے کے لیے اگر آپ کو اپنے سوچنے کا انداز بدلنا پڑے تو یہ کام اتنا مہنگا نہیں۔ فقط آپ کو اپنی سوچ بدلنی ہے۔ حالات بدلنے کے لیے خیالات کو بدلا جا سکتا ہے۔ آیئے ان افکار کو اپنائیں جن کے متعلق Mark Victor نے یہ کہا:

''امیر بننے اور سدا امیر رہنے کے لیے یہ دانش کے فقرے آپ اور آپ کے بچوں کو جاننا بہت ضروری ہیں۔''

OO

سوچ، جذبات اور احساسات پر حاوی طاقت

ہم حالات کے مارے ہوئے بھی بن سکتے ہیں اور ہم ان کو فتح بھی کر سکتے ہیں۔ ہم چاہیں تو کچھ بھی بن سکتے ہیں۔ ہم اپنی شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں۔ ہم چاہیں تو اپنی کامیابیوں میں لاتعداد محروم اور غریب لوگوں کو شامل کر سکتے ہیں۔ ہم چاہیں تو دوسروں کے لیے ایک بہترین مثال بن سکتے ہیں۔ ہم چاہیں تو جہالت کی تاریکی ختم کر دیں اور علم و دانش کی شمع روشن کر دیں۔ ہم دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو فتح کر لیں کیونکہ وہ جتنا بلند ہو سکتی تھی ہو چکی لیکن ہمارا جذبہ و ہمت بلند سے بلند ہوتا جا رہا ہے اور اُس کی بلندی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ ہم چاہیں تو اپنا نام تاریخ کی کتابوں میں سنہری حروف سے لکھ دیں لیکن یہ سب کچھ کرنے سے پہلے ہمیں ایک کام کرنا ہوگا۔ اس کام کے بغیر دنیا کا کوئی انسان عظمت اور بلندی حاصل نہیں کر سکا۔ وہ اہم کام یہ ہے کہ ہم اپنی اقدار (Values)، رجحانات اور ترجیحات کو جان لیں اور پھر اُن میں مناسب تبدیلی کر کے ان اقدار، رجحانات اور ترجیحات کو اس قابل بنا دیں کہ وہ ہمیں ہماری منزل مقصود تک پہنچا دیں۔

ہارورڈ یونیورسٹی کی ریسرچ کے مطابق "کسی شخص کی کامیابی کا صرف 15 فیصد حصہ معلومات، تعلیم و ذہانت اور قسمت پر ہے جبکہ 85 فیصد حصہ اقدار، ترجیحات اور رجحانات کا مرہون ہے"۔ بہترین اقدار کامیابی کا نقطہ آغاز ہوتی ہیں۔ اگر آپ کو کسی

شخص کے مستقبل کے حالات جاننے ہوں تو اُس کی آج کی اقدار کو جان لیں، آپ کے سامنے اُس کے مستقبل کی تصویر واضح ہو جائے گی۔ آپ یہ جان چکے ہیں کہ کامیابی کے سفر میں سوچنے کا انداز بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سوچ آپ کے عمل کی ذمہ دار ہوتی ہے، آپ کا عمل آپ کے رویے کو ظاہر کرتا ہے، آپ کا رویہ آپ کے کردار کا حصہ ہوتا ہے اور آپ کا کردار آپ کی قسمت بناتا ہے۔ لیکن آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ آپ کی سوچ، عمل، رویے، عادات اور کردار کے پس پردہ محرکات میں آپ کے رجحانات، ترجیحات اور اقدار سب سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ ایسی سوچیں جو آپ بار بار سوچتے ہیں، آپ کی ناکامی یا کامیابی کی ذمہ دار ہوتی ہیں لیکن یہ سوچیں آپ کچھ مخصوص اقدار کی وجہ سے سوچتے ہیں۔

ہم اپنے جذبات اور احساسات کو بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی اقدار بدلنا ہوں گی کیونکہ جب ہم سبب Cause کو بدلتے ہیں تو نتائج Effects خود بخود بدل جاتے ہیں اگر کوئی آپ کو نظر انداز کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اُس کے لیے قابل احترام نہیں بلکہ آپ اپنی ذات میں یا بات میں وہ تبدیلی نہیں لا رہے جو دوسرا دیکھنا اور سُننا چاہتا ہے۔ اکثر لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں کہ وہ صرف ایک مادی جسم ہی کا نام نہیں بلکہ وہ جسم میں موجود دل کے جذبات اور ذہن کے خیالات کے بھی مالک ہیں تقریباً دنیا کے تمام انسانوں کو ایک جیسا مادی جسم عطا ہوا ہے لیکن سب کے جذبات، احساسات اور خیالات مختلف ہیں کیونکہ سب کی اقدار مختلف ہیں۔ بہترین کھلاڑی، کامیاب سیاست دان، سحر البیان خطیب، امیر ترین بزنس مین، اچھا مصنف اور اعلیٰ مقام پر فائز ولی اللہ در اصل تحریک آفریں اور زبردست اقدار کے حامل ہوتے ہیں۔

بڑے لوگ اپنی اقدار اور ترجیحات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ جن لوگوں کی اقدار واضح ہوتی ہیں ان کا علم اور عمل برابر ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کے انتخاب میں اپنی اقدار کو سامنے رکھتے ہیں وہ ہر لحاظ اپنی اقدار کے مطابق گزارتے ہیں۔

اقدار کے فرق کی وجہ سے سب کا نقطۂ نظر بھی جدا ہوتا ہے۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے دو سوال اٹھتے ہیں ایک یہ کہ اقدار اور ترجیحات کیا ہوتی ہیں اور دوسرا یہ کہ اقدار اور رجحانات ہم میں کیسے پیدا ہو جاتے ہیں؟ اقدار کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کی اولین ترجیح کیا ہے؟ کس چیز کے بغیر آپ کی زندگی بے معانی ہے؟ آپ کن احساسات و جذبات کو بہت اہمیت دیتے ہیں؟ آپ کی تلاش کیا ہے؟ وہ کون سے نتائج ہیں جن کو حاصل کر کے آپ کو بہت خوشی ہوگی؟ آپ کو کیا زیادہ عزیز ہے؟ آپ کن چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں اور آپ کے لیے کیا کچھ بہت ضروری ہے؟ زیادہ تر لوگ ان سوالات کا جواب کچھ اس طرح سے دیتے ہیں۔ میری زندگی میں کامیابی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ میں عزت و احترام کو بہت اہمیت دیتا ہوں۔ میں آزادی سے جینا چاہتا ہوں۔ دولت کے بغیر میری زندگی کچھ بھی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھ سے محبت کریں۔ میں سکون و آرام کو بہت پسند کرتا ہوں۔ صحت کے بغیر تمام کامیابیاں بے کار ہیں۔ میں ایک محفوظ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں جذبے اور مہم جوئی کو بہت اہم سمجھتا ہوں۔ آپ یہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ تو ہر کوئی چاہتا ہے لیکن تھوڑا سا غور و فکر کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کچھ جذبات ہمیں بہت زیادہ خوشی دیتے ہیں جبکہ کچھ زیادہ فرحت کا باعث نہیں بنتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام جذبات ہمارے لیے یکساں اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ اب آپ ان احساسات میں سے تین انتہائی ضروری اور اہم کو منتخب کریں جن کے بغیر آپ کی زندگی بے معانی ہے اور جن کی موجودگی آپ کے لیے لطف کا باعث بن سکتی ہے۔ ان جذبات و احساسات کا انتخاب آپ کی ترجیحات اور اقدار کو واضح کر دے گا۔ یہ اقدار آپ کی کامیابی کے لیے ایک قطب نما Compass کا کام کریں گے۔

سوائے ان لوگوں کے کوئی کارنامے انجام نہیں دے سکتا جنہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ان کے اندر کوئی ایسی شے موجود ہے جو حالات کو بدل کر رکھ دے گی۔ یہ شے ان کی

باکمال اقدار ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے اعلیٰ ترین سے کم کو حاصل کرنے کا سوچا ہے تو آپ لازماً ناکام ہو جائیں گے اور اگر آپ ایک ایسی کامیابی حاصل کرنا چاہ رہے ہیں جس کے متعلق آپ نے کبھی سوچا ہی نہیں تو آپ ناکام بھی نہیں ہوں گے بلکہ آپ ویسے ہی رہیں گے جیسے آج کل ہیں کیونکہ آپ نے اس کے متعلق سوچا ہی نہیں۔ وہ چیز جو آپ کے تصور میں نہیں آتی آپ کو کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ اعلیٰ سے کم پر قناعت نہ کریں اور کامیابی کے حصول کے لیے واضح اقدار منتخب کریں انشاء اللہ منزل خود آپ کے قدموں تک پہنچ جائے گی۔

''انسان کا اندر خوبصورت ہو تو اُسے باہر بھی خوبصورتی نظر آتی ہے'' (سقراط)

زندگی کے ابتدائی دنوں کے واقعات، حالات، بڑوں کی نصیحتیں، ماحول، Inspirations، ذہنی کیفیات، حادثات، ناقابل فراموش ایام، دوسروں کی تنقید اور تعریف، دوست احباب، میڈیا، آپ کے اپنے آپ سے کیے جانے والے سوالات اور عقائد و نظریات ہمارے اندر اقدار کو جنم دیتے ہیں۔ ان عناصر کی وجہ سے ہماری ترجیحات بن جاتی ہیں۔ زیادہ تر لوگ رستے کو ترجیح بنا لیتے ہیں اور منزل کو بھول جاتے ہیں۔ سیڑھی کا کام بلندی تک لے جانا ہے سیڑھی ذریعہ ہے اور بلندی مقصد ہے۔ کئی لوگ دولت کی بہتات کے باوجود سکون و چین نہیں پاتے۔ اس کی وجہ بھی اقدار کا واضح نہ ہونا ہے کیونکہ اقدار اگر واضح ہوں تو یہ ہمیں تحریک دیتی ہیں اور ہماری راحت کا باعث بنتی ہیں۔ جن لوگوں کو فیصلہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے ان کی اقدار واضح نہیں ہوتیں۔ اقدار کے انتخاب کے بعد ہر شے اقدار کے مطابق منتخب کرنی چاہیے۔ ہماری اقدار وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں لیکن Genius اور سپر مین وہ ہے جو مناسب تبدیلی کے بعد ان کے مطابق ہی زندگی بسر کرے۔ اقدار کی تبدیلی کے بعد آپ کے احساسات، محسوسات بدل جاتے ہیں اور جب آپ کا باطن بدلتا ہے تو آپ کا ظاہر بھی بدل جاتا ہے۔

''جو اپنے اندرونی حالات کو درست رکھتا ہے خدا اس کے ظاہر کو بھی درست کر دیتا ہے۔'' (حضرت علیؓ)

جو لوگ صحت کو اپنی ترجیح اول نہیں سمجھتے وہ سگریٹ پینے اور کھانا کھانے میں لاپرواہی برتنے لگتے ہیں۔ جس شخص کی پہلی ترجیح دوسروں کی مدد کرنا ہے وہ پیسے سے محبت نہیں کرتا۔ وہ شخص جس کی Top Priority اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے وہ ولی اللہ کہلاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں آپ دوسروں کی ترجیحات اور اقدار کو جان کر دوسروں کی اصلیت کو جان سکتے ہیں۔ انسان اپنی وابستگی سے پہچانا جاتا ہے۔

''جیسے ہمارے رجحانات ہوں گے ویسی ہماری رائے ہوگی'' (گوئٹے)

دوسروں کی اقدار جان کر آپ اُن سے ایک مضبوط تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ آپ اُن کی مدد کر سکتے ہیں اور اُن سے مدد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے والدین کی اقدار کا احترام کریں گے تو وہ آپ سے خوش ہوں گے۔ اُستاد کی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے آپ اُستاد کی داد اور شاباش کے مستحق ٹھہریں گے۔ کسی کو نوکری دینے سے پہلے اُس سے سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اُس کے لیے سب سے اہم بات کیا ہے؟ یا وہ کس Value کو زیادہ اہمیت دیتا ہے؟ اس سوال کے جواب سے آپ Candidate کی شخصیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آپ اس طاقت کو جان چکے ہیں جو آپ کی سوچ، جذبات اور احساسات پر حاوی ہے اس لیے اب آپ کامیابی کے سفر کو شروع کرنے کا انتظار نہ کریں اور فوراً اپنی پانچ واضح اقدار اور ترجیحات تحریر کریں۔ یہ بھی لکھیں کہ آپ کن جذبات سے بچنا چاہتے ہیں جنہیں نظر انداز کیا جائے۔ غصہ، جھگڑا، ڈپریشن، ناکامی، تذلیل، احساس گناہ وغیرہ۔ اس طرح آپ اپنی کامیابی کا روڈ میپ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کو اپنی کامیابی کا واضح اندازہ پتا لگ جائے گا۔ آپ کا ہر عمل آپ کی اقدار کے تابع ہوگا۔ آپ

کی سوچ آپ کی ترجیحات کے مرہونِ منت ہو گی اور آپ تمام حالات اور معاملات کو اپنے قابو میں کر کے ایک شاندار مستقبل کی طرف بڑھنا شروع ہو جائیں گے۔

''جب تک کوئی شخص اپنی اقدار کے مطابق جینے کا فیصلہ نہ کرے وہ کامیابی و کامرانی حاصل نہیں کر سکتا۔'' (محترمہ فاطمہ جناحؒ)

OO

کامیاب لوگ آخر کیا کرتے ہیں؟

کامیاب لوگ چھوٹے تجربات سے بڑے بڑے سبق سیکھتے ہیں۔ دانائی تجربات اور تصورات کے نچوڑ کا نام ہی تو ہے۔ ایک ہی واقعہ کے متعلق سب کا انداز نظر مختلف ہوتا ہے اس لیے ایک ہی تجربے کے نتائج بھی سب کے لیے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر منزل پر لے جانے والا راستہ بند ہو تو بے شمار لوگ ہمت ہار کر رکاوٹ کو منزل بنا لیتے ہیں اور کچھ خوش نصیب اپنی محنت اور لگن کے دم سے راستہ بنا لیتے ہیں یا کوئی نیا راستہ پا لیتے ہیں۔

دنیا کی ہر ایجاد کبھی فقط خواب اور تصور تھی۔ عظیم لوگ اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کا فیصلہ کرتے ہیں، بے شمار دفعہ کی ناکامی کے باوجود مایوس نہیں ہوتے وہ مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور ایک دن وہ اپنی منزل مقصود کو حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ کے پاس کیا کچھ موجود ہے یہ اہم نہیں بلکہ آپ کیا مقاصد (Targets) رکھتے ہیں یہ آپ کو اہم بنا دے گا۔

کامیابی کے آفاقی اصول (Universal Laws) ہیں۔ یہ اصول ہر اس شخص کو فائدہ دیتے ہیں جو ان پر عمل کرتا ہے۔ یہ اصول حسب نسب، رنگ و مذہب، قوم اور علاقے کی تبدیلی سے اثر انداز نہیں ہوتے۔ دنیا کے کامیاب لوگ اپنی ابتدائی زندگی میں سخت مشکلات اور غربت کا سامنا کرتے رہے لیکن انہوں نے اپنی زندگی کی

ناکامیوں اور غلطیوں کی ذمہ داری قبول کی، حالات ان کو نہ بدل سکے بلکہ انھوں نے حالات کو بدل ڈالا، اپنی ہر چیز جیسا کہ محنت، پیسہ، وقت، سکون وچین اور تمام ذہنی و جسمانی توانائی ایک ہی مقصد کے نام لگادیں اور آخر کار دنیا میں ایک مثال بنے۔

بامقصد زندگی، کامیابی کی لگن، جوش وخروش، دوسروں کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ اور سخت محنت کی عادت کامیاب لوگوں کے لیے سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دولت وراثت میں مل سکتی ہے لیکن ان عادات واقعات کا ملنا عطیہ خداوندی سے کم نہیں۔ دولت سے کئی گنا قیمتی وہ محنت کرنے والا جسم اور غور وفکر کرنے والا ذہن ہے جو دولت کی فراوانی کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اس لیے کامیاب لوگ اپنے حال کو خوش حال بنانا شروع کر دیتے ہیں جس سے اُن کا مستقبل بدحال ہونے سے بچ جاتا ہے۔

کسی نے ایک کروڑ پتی انسان سے پوچھا کہ آپ کے کروڑ پتی بننے میں کیا راز ہے تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو لکھ پتی بنا دیا جس کی وجہ سے میں کروڑ پتی بن گیا۔ کوئی بھی فرد اکیلا کچھ نہیں کر سکتا بلکہ ہر قدم پر آپ کو دوسروں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی اپنی ذہنی صلاحیتیں لیے آپ کے پاس حاضر ہو جائے گا، کوئی آپ کے لیے محنت ومشقت کرنے کے لیے تیار ہے اور کوئی آپ کی رہنمائی کرنا چاہے گا بشرطیکہ آپ اُن کی ضروریات کو پورا کرنا جانتے ہوں۔ وہ شخص جنتی ہے جو دوسروں کو جنت میں جانے کی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس لیے ایسی کامیابی جس میں آپ تنہا شریک ہوں ناکامی کے مترادف ہے۔

ایک عظیم شخص اچانک عظمت حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کی عظمت میں بے شمار دنوں اور راتوں کی محنت شامل ہوتی ہے۔ ''محنت میں عظمت ہے''۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے لیکن اس فقرے کو تمام لوگ جاننے کے باوجود بھی یقین کی حد تک ماننے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محنت کی بجائے قسمت کی دیوی مہربان ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کامیاب لوگ سخت محنت اور کوشش کرتے ہیں اور وہ کام جو وہ خود نہیں

کر کے خدا اور قسمت پر چھوڑ دیتے ہیں اور آخر کار کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر تھامس سٹینلے نے 25 سال 733 کروڑ پتی لوگوں کا مطالعہ کیا اُن کی ریسرچ کے مطابق کامیابی کے عوامل میں محنت کا پانچواں اور قسمت کا ستائیسواں نمبر ہے۔ اس لیے دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر کامیاب انسان محنت پر یقین رکھتا ہے اور سخت محنت سے اپنی قسمت خود بناتا ہے۔

آگے بڑھنے والے لوگ اُس علم پر اکتفا نہیں کرتے جو آج اُن کے پاس موجود ہے۔ وہ ہر روز کچھ نیا سیکھتے ہیں۔ اُن میں اپنی غلطی ماننے اور اُس کی اصلاح کرنے کا حوصلہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے اس لیے وہ Constant and Never ending Improvement کے قائل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ منفرد بننے کے لیے کردار اور شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کا آج کا دن گزشتہ دن کے برابر نہیں ہوتا۔ یہ سیکھنے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ نااہل لوگوں کو جب کوئی بات بتائی جاتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں یہ پہلے ہی پتہ ہے'' جبکہ سمجھدار کہتا ہے'' بے شک یہ بات مجھے 100% پتا ہے لیکن میں اس نصیحت پر کتنے فیصد عمل کر رہا ہوں'' اس خود کلامی Intra-Communication کی وجہ سے کامیاب لوگوں کی ذاتی بہتری کا عمل جاری رہتا ہے۔ کچھ لوگ اندھیروں میں راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور کچھ اجالوں کے میلے میں صرف دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کچھ کر دکھانے والے لوگوں کے پاس راستے بے شمار جبکہ سست اور کاہل گھر میں رہنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ عظیم لوگ خطرہ مول لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں وہ خود کو ایک مسافر سمجھتے ہیں اور زندگی کو ایک سفر جانتے ہیں۔ وہ اپنی انفرادیت کو ظاہر کرنے کے لیے اور دنیا کو یہ بتانے کے لیے کہ ہم بھی اس دنیا میں آئے تھے کچھ خاص کر جاتے ہیں اور امر ہو جاتے ہیں۔

بہترین لوگ بہترین نیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے رب تعالیٰ ان کے تمام کاموں کو سنوار دیتا ہے اور جس کام کو رب سنوار دے اسے کوئی بندہ کیسے بگاڑ سکتا ہے۔

مجھے بھی آپ سے گلہ ہے

انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا گلہ شکوہ کرنا ہر دوسرے فرد کی عادت ہے۔ چمکتا دن ہو تو دھوپ کا گلہ اور برسات میں بارش کا گلہ عام سننے میں آتا ہے۔ کبھی کسی کی طاقت کا گلہ اور کبھی اپنی بے بسی کا شکوہ کرنا بھی ایک عادت ہے اور مزاج بھی۔ آپ کو بے شمار لوگ ایسے نظر آئیں گے جو صبح اخبار سے دنیا کی بدترین حادثاتی خبریں اکٹھی کر کے پورا دن کھانے کی میز پر، دفتر کے اندر، شاپنگ کرتے ہوئے، بیوی بچوں کے ساتھ اور سفر میں ساتھیوں کے ساتھ تبصرے کرتے نظر آئیں گے۔ کیونکہ اب ہمارے ہاں خاموشی کی بجائے بولنے کو عبادت سمجھا جاتا ہے اس لیے ہر کوئی فضول بولنے کی بجائے بامقصد گلہ کرتا نظر آتا ہے۔

کبھی غور کیجیے کہ ہم لوگ سب کاموں میں سمجھداری دکھاتے ہیں سوائے گلہ کرنے کے اچھے فنکار ہونے کے باوجود ایک عجیب حماقت ہم سے سرزد ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ہم لوگ گلہ کبھی متعلقہ لوگوں سے نہیں کرتے مثلاً موسم خراب ہو رہا ہے تو ہم دفتر کے باس سے گلہ کرنے میں مصروف عمل نظر آتے ہیں حالانکہ ہمارے باس کا موسم کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں۔ دفتری مصروفیات کا گلہ اپنی بیوی سے کر رہے ہوتے ہیں وہ بے چاری کاموں کی ماری کیا جانے کہ دفتر کیا بلا ہے۔ بچے ہمارے نالائق اور نالائق ہوں گے تو گلہ ہمارا استاد جی سے ہو گا کہ '' آپ جناب خود قابل نہیں اس لیے ہم آپ کو قابل

احترام خیال نہیں کرتے" حالانکہ بچوں کے جس استاد کو آپ محترم نہیں سمجھتے آپ کے بچے اُسے استاد محترم کیسے جانیں اور پیٹ میں درد ہمارے ہوتا ہے اور گلہ کا جروں سے۔ یہی حال رہا تو یہ عادت اتنی پختہ ہو جائے گی کہ گھر سے سائیکل چوری کی رپورٹ ہم سوئی گیس کے دفتر درج کرانے جائیں گے اور بجلی کا بل یقیناً پولیس اسٹیشن میں جمع کروانے پر بضد ہوں گے۔ اگر ہماری باتیں مناسب معلوم نہیں ہوتیں تو ہم آپ کا یہ گلہ دل سے ماننے کو تیار ہیں کہ غیر متعلقہ لوگوں سے گلہ کرنے کی عادت، متعلقہ افراد سے بار بار گلہ کرنے کے تجربے کا نتیجہ ہی تو ہے۔

مانا کہ گلہ کرنا بڑی بات ہے لیکن کبھی غور کریں کہ گلہ زیادہ تر وہ لوگ کرتے نظر آتے ہیں جو بے بس ہیں جو کچھ نہیں کر سکتا وہ گلہ ضرور کر سکتا ہے۔ انسان کی کوئی نہ سنے تو اُسے دیواروں سے باتیں کرنے میں بھی لطف آتا ہے ویسے بھی بے بس انسان کا ہاتھ نہ تو غاصب کا گریبان پکڑنے کی ہمت رکھتا ہے اور نہ اس کی آواز حکمران کے قلعہ کی دیوار کو پھلانگ سکتی ہے سو یہ دونوں کام چھوڑ کر وہ آسان اور پُر لطف کام کرتا ہے یعنی گلہ کرنا۔ لیکن صرف شکوہ اور گلہ کرنے سے کیا بدل سکتا ہے بے بس کی بے بسی تب دور ہو سکتی ہے جب اس کے دل میں یہ یقین پختہ ہو جائے کہ اس کے دونوں ہاتھ اگر مالک کل کائنات کے سامنے کچھ مانگنے کے لیے دعا گو ہوں اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے وضو کر لیں تب اس کی آواز آسمان والا بھی سننے کو تیار ہوتا ہے۔

"بے بس انسان کا سجدہ ہی اس کی بے بسی کا علاج ہے"

(حضرت واصف علی واصفؒ)

کہتے ہیں کہ شیخ سعدیؒ جنگل میں ننگے پاؤں جا رہے تھے دل میں خیال آیا میرا رب مجھ پر کہاں مہربان ہے؟ میں اس کا بندہ ہوں اور وہ مجھے ننگے پاؤں چلا رہا ہے۔ کچھ فاصلہ طے کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بیٹھا اللہ کا ذکر کر رہا ہے اور اس کی دونوں ٹانگیں ہی سلامت نہیں۔ آپ نے فوراً توبہ کی اور ساتھ ہی ساتھ شکر ادا کیا کہ مالک تو

نے مجھے ٹانگیں تو سلامت دی ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ والے گلہ کرنے کی بجائے شکر کرتے ہیں۔ درحقیقت گلہ کرنا ناسمجھی کی علامت بھی ہے۔ دوست کی بے وفائی کا گلہ کرنے والا اپنی سمجھ کا گلہ کرے کہ اس نے ایک بے وفا کو دوست سمجھا۔

زندگی کو دلکش بنانے کے لیے ایک دل رُبا اصول کو دل پذیر کر لیجیے کہ جن چیزوں کو بدلنا آپ کے اختیار سے باہر ہے اُن کا گلہ کرنا چھوڑ دیجیے اور جن ناپسند واقعات کو آپ بدل سکتے ہیں اُن کو گلہ کیے بغیر اپنی کوشش سے بدل ڈالیے۔ گرتے آسمان کو سنبھالنا آپ کے اختیار میں نہیں لیکن چھت گر رہی ہو تو بھاگ کر جان بچائی جا سکتی ہے جن واقعات کو جن لوگوں کو، جن نتائج کو اور جن حالات کو آپ مخلص ہو کر واقعی بدلنا چاہتے ہیں اُن کے لیے دل سے دعا کیجیے۔ اپنا زاویہ نظر بدلیے زندگی شکوے کرنے سے نہیں بدلے گی کم ظرف کا غصہ اُس کی اپنی ذات کے لیے نقصان دہ ہے۔ اعلیٰ ظرف اپنے غصے سے زمانے بدل سکتا ہے۔ مثبت اندازِ فکر اپنایا جائے تو رات کی تاریکی، بیماری کے ایام، مشکلات کے دور، زمانے کی سختیاں اور کانٹوں کی چبھن کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے اس لیے مجھے بھی آپ سے گلہ ہے کہ آپ شکوہ کرتے ہیں خدا نے گلاب کے پھولوں کے ساتھ کانٹے کیوں پیدا کیے۔ حالانکہ آپ کو یہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کانٹوں کے ساتھ پھول لگا دیے ہیں۔

OO

اس سے پہلے کہ .....

بعض اوقات جذبات کا غلبہ بڑھ جاتا ہے اور جذبات کو بیان کرنے کے لیے زبان ساتھ نہیں دیتی۔ ایسی حالت میں آنسو ہی دردِ دل کو بیان کرتے ہیں۔ ابھی ہم اپنی زبان سے بے بسی کا اقرار کرنے والے ہی ہوتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکل کر یہ بتا دیتے ہیں کہ "ہم آپ کی سچائی کا ثبوت ہیں" آج جب عمران میرے دفتر میں داخل ہوا تو اس کی کچھ ایسی ہی حالت تھی۔ میں نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہمدردی سے پوچھا "خیر تو ہے"۔ وہ بول تو نہ سکا مگر اس کے جھکے ہوئے سر کے نیچے پڑی اخبار جو اس کے آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی مجھے اس بات سے روکنے لگی کہ ابھی یہ پوچھنے کا وقت نہیں پہلے اُس کے جذبات کچھ ٹھنڈے پڑ جائیں پھر بات چیت کی باری آئے گی۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود کہنے لگا کہ شاہ صاحب مجھے کچھ دن سے امی کی یاد بہت ستا رہی ہے۔ آج تین سال ہونے والے ہیں لیکن ان سے جدائی کا غم دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک عجیب پچھتاوے اور بے چارگی کی کیفیت لیے میں جب اُن کی قبر پر جاتا ہوں تو دل کو دہلا دینے والا خیال آتا ہے کہ جیتے جی ایک بات بھی نہ مانی اب قبروں پر پھول چڑھا کر کیا ملے گا۔

عمران ہمارا اچھا دوست ہے اس لیے میں اس بات سے آگاہ تھا کہ عمران کی والدہ کو گزرے تین برس ہو گئے ہیں پہلے بھی وہ اُن کی باتیں بتاتا رہتا تھا۔ لیکن آج اُس کی

گفتگو میں آتش فشاں جیسا زور تھا۔ میں نے گرم چائے کا کپ آگے بڑھایا تو وہ بولا کہ امی کہا کرتی تھیں کہ بیٹا جب سے تو بڑا ہوا ہے اپنی پڑھائی اور کام میں اتنا مگن ہو گیا ہے کہ دو گھڑی مجھے شکل بھی نہیں دکھاتا۔ تجھ سے میری کوئی فرمائش نہیں فقط اتنا تقاضا پورا کر دیا کر کہ دو گھڑی میرے پاس بیٹھ جایا کر۔ میں اُن دنوں میں مصروفیت کی انتہا پر تھا۔ میں یہ سوچتا رہا اور پلان کرتا رہا کہ کل سے اُن کے لیے کچھ وقت نکالوں گا۔ لیکن وہ کل کبھی نہ آسکی اور وہ چلی گئیں۔ یہ کہتے ہوئے عمران کے پھر کچھ آنسو نکل آئے۔ اس نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور بولا شاہ صاحب کمال دیکھیے کہ بچہ تکلیف میں ہو تو ماں کو دُعا کا طریقہ خود ہی آجاتا ہے۔ امی کی وفات پر میری عمر 31 برس تھی لیکن تب تک ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ میرے گھر آنے سے قبل میری ماں سو چکی ہو۔ آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا سب سے بہترین تحفہ ماں ہے ماں ہی سراپا محبت ہے ماں سدا ہماری ماں ہی رہتی ہے چاہے ہم بوڑھے ہو جائیں۔ ایک دن ہم بہن بھائیوں کو بٹھا کر کہنے لگیں بیٹا میں نے صرف تمہیں ہی نہیں تمہارے ابو کو بھی پالا ہے۔ وہ تو بہت لاپرواہ تھے۔ مجھے ہی ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ بیٹا میں نے تم لوگوں کے لیے اپنے امی ابو کو چھوڑا اور زندگی تم لوگوں کے نام کر دی کبھی تمہیں ان باتوں کا احساس ہو گا۔ بہرحال عمران اپنے دل کا درد بیان کر کے چلا گیا اور میں جذبات اور خیالات کی ایک نئی دنیا میں پہنچ گیا۔

مجھے وہ واقعہ یاد آگیا جب ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر کس کا زیادہ حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں کا پھر پوچھا کہ کس کا زیادہ حق ہے؟ جواب آیا تیری ماں کا۔ تیسری بار بھی یہی جواب آیا اور چوتھی بار جواب آیا کہ تیرے باپ کا۔ یعنی ایک انسان پر ماں کا حق باپ سے 3 گنا زیادہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے عظیم انسان بھی ماں کی گود سے عظمت کا سفر شروع کرتے ہیں۔ مولانا شوکت علی ایک دفعہ فرمانے لگے کہ "ہماری ماں نے ہمیں زندہ رہنے اور آزادی

سے زندگی گزارنے کا سبق دیا'' گود سے گور (قبر) تک علم حاصل کرنے کا حکم ہے یعنی ماں کی گود ہی بچے کے لیے علم کی پہلی درس گاہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد سے افضل عمل والدین کی خدمت کو قرار دیا ہے آپ کی خوشیوں کو دوبالا کرنے والی ذات کا نام ماں ہے کہا جاتا ہے کہ ناکام والدین کی کامیاب اولاد در حقیقت والدین ہی کی کامیابی کو ظاہر کرتی ہے۔

کمال دیکھیے کہ خدا تعالیٰ جب اپنی محبت کا بیان دینے لگتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں تمہیں ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہوں یعنی محبت کے لفظ کی شدت کو بھی ماں کی ممتا کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا ہے۔ آقائے دو جہاں فرماتے ہیں'' ماں کے قدموں تلے جنت ہے'' ابھی میں انہیں خیالوں میں گم تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور خیال کا سلسلہ منقطع ہو گیا فون پر دوسری طرف عمران کی درد بھری آواز تھی ۔ وہ بولا شاہ صاحب آپ پڑھاتے ہیں خدارا آپ تمام بچوں کو نصیحت کیجیے کہ وہ آج ہی اپنی جنت کی ٹکٹ پکی کریں۔ یہ نہ ہو کہ ماں کی خدمت کا موقع ہاتھ سے نکل جائے اور ماں ہمیں چھوڑ کر اس کے پاس چلی جائے جس نے ہمیں ستر ماؤں کے برابر پیار دینا ہے اب عمران جذبات کی شدت میں مزید بول نہیں سکتا تھا اور میرے سامنے پڑا اخبار ایک بار پھر آنسوؤں سے تر ہونے لگا۔

OO

ہمارا محسن

آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ وہ شخص تو آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے سیر کراتا رہا ہے۔ کبھی آپ کی فرمائش پر وہ اپنی محنت کی کمائی سے مٹھائی اور کھلونے لا کے دیتا رہا ہے۔ آپ کا نا سمجھی کا دور تھا اور وہ بے لوث ہو کر اپنی تمام تر توجہ آپ کو پالنے میں صرف کرتا رہا ہے۔ اپنی جوانی کے خوبصورت دنوں میں وہ تمام دوست احباب کو چھوڑ کر آپ کے لیے شام کو کام سے سیدھا گھر لوٹ رہا ہے۔ کبھی آپ کی سکول کی فیس ادا کرنے کے لیے کسی رشتے دار سے ادھار لے رہا ہے اور کبھی آپ کی دوائی لانے کے لیے اپنے افسر سے وقت سے پہلے تنخواہ کا تقاضا کر رہا ہے۔

آپ نے خود ہی تو بتایا تھا کہ آپ کی پیدائش پر اُس شخص نے پورے 40 کلو مٹھائی بانٹی تھی کہ میرے گھر بیٹا تشریف لایا ہے۔ آپ کو وہ دن کہاں یاد ہو گا جب آپ کی زبان سے پہلی بار "ابو" نکلا ہو گا اور وہ شخص خوشی سے دیوانہ ہو کر سب کو یہ بتا تا رہا ہو گا کہ میرے بچے نے مجھے آج پہلی بار ابو کہا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق وہ شخص آپ کے کپڑے بازار سے خریدتا رہا اور کبھی خود بھوکا رہا لیکن آپ کا پیٹ ضرور بھر دیتا تھا آپ کو کیا علم تھا کہ اس کو کیا کیا پریشانیاں لاحق ہیں لیکن آپ کے لیے اس کے پاس ہمیشہ مسکراتا ہوا چہرہ ہوتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ باتیں فہیم صاحب کو کہتا چلا جا رہا تھا حالانکہ مجھے پہلے ہی یہ شک تھا کہ وہ میری باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ وہ تمام

باتوں کو نظر انداز کرنے کے انداز میں سنتے رہے کبھی میز پر پڑا پیپر ویٹ گھماتے کبھی موبائل کے Message چیک کرتے لیکن یہ سب کچھ بتانا میرا بھی فرض تھا۔

نعیم صاحب کے بچے میرے شاگرد ہیں اس لیے وہ اکثر اپنے حالِ دل کو بیان کرنے آجاتے ہیں۔ نعیم صاحب خود بھی ایک پڑھے لکھے شخص ہیں اور آج کل ایک پرائیویٹ ادارے میں منیجر ہیں لیکن آج اُن کا اس حوالے سے نقطۂ نظر سن کر مجھے اُن کی تعلیمی قابلیت اور بڑے عہدے پر حیرت ہو رہی تھی۔ موصوف کے مطابق اُن کے والد صاحب پاگل ہو چکے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد محترم اب بھی ان کو کبھی روک ٹوک کرتے ہیں کبھی نصیحتیں سنانے لگتے ہیں۔ جب میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آخر وہ آپ کے والد صاحب ہیں'' تو نعیم صاحب زوردار انداز میں بولے کہ ''فرق کیوں نہیں پڑتا اب میں بیوی بچے والا ہوں میرے بچوں کے سامنے وہ میری بے عزتی کر دیتے ہیں میں ایک بڑی کمپنی کا آفیسر ہوں کیا میری کوئی عزت نہیں'' میں نے کہا ''نعیم صاحب آپ اپنے بچوں کے ابو ہیں لیکن آپ کو ڈانٹنے والے تو آپ کے اپنے ابو ہیں اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' لیکن میری کوئی بات اُن پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ نعیم صاحب کے انداز میں اعلیٰ تعلیم کا غرور اور والد کے لیے نفرت بھری پڑی تھی۔ اُن کے جانے کے بعد مجھے ایک سوال کا جواب پتا چلا جو نعیم صاحب عرصے سے مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ''شاہ صاحب میرے بچے بہت بدتمیز اور بے ادب ہوتے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟'' آج وجہ صاف ظاہر تھی کہ نعیم صاحب خود اپنے والدین کا ادب نہیں کرتے ہیں اس لیے ان کی اپنی اولاد کہاں مؤدب ہو گی۔

انسان فطرتاً بہت عجیب ہے جب کوئی چیز اس کے پاس موجود ہوتی ہے تو وہ اس کی قدر نہیں کرتا اور وہ چھن جائے تو ماتم شروع کر دیتا ہے کیا کمال ہو کہ جس پر کل ماتم کرنا ہے آج اُن کی قدر کی جائے۔ جان لیجیے کہ دنیا کا کوئی شخص عظمت نہیں پا سکتا اگر

اس کے والدین اس سے راضی نہ ہوں والدین کم عقل اور کم علم بھی ہوں تب بھی ان کا رتبہ بڑا ہے جو آدمی یہ کہتا ہے کہ ابا جان کا دماغ چل گیا ہے وہ آدمی خود پاگل ہو کر مرے گا۔ والدین کروڑوں اربوں سے بڑا سرمایہ ہیں اگر آپ کو ان کی قدر نہیں ہے تو گھر سے نکلیں اور ان سے ذرا پوچھیے جو والدین سے محروم ہیں جن کو باپ کی شفقت نہیں ملی انہیں ماں کی گود کی ٹھنڈک نصیب نہیں ہوئی وہ کس طرح ہاتھ ملتے رہ گئے اور والدین چلے گئے آج دنیا جہاں کی دولت اور زمانے کے سکھ بھی ان کو چین و قرار نہیں دے رہے کیونکہ ان کی اصل دولت ان سے بہت دور ہے۔ آج وہ کس کو اپنی خوشیاں دکھائیں خوشیاں دوبالا کرنے والے تو بہت دور چلے گئے اب خوشیاں کس کام کی والدین کے لیے بڑھاپے میں مضبوط چھڑی سے بہتر سہارا جوان بیٹے کا کندھا ہے۔ اگر خود لاعلمی اور بے بسی کی زندگی گزارنے والے والدین تمہیں علم کی دولت اور طاقت دے گئے ہیں تو تم پر ان کا ادب واجب ہے اس کی آخرت کیا سنورے گی جس کے والدین اس سے راضی نہ ہوں۔ والدین آپ کے مالک ہیں آپ کے گھر کے بھی مالک ہیں اور آپ کے مال دولت کے بھی مالک۔ ہم اپنے والدین کا مال ہیں اس لیے مالک سے بے ادبی کیسی؟ والدین کا ادب صرف فرض سمجھ کر نہ کریں ان کو دل سے عزت دیں۔ ان کی خدمت کریں یہ دل ساز ہستیاں ہیں ان کی دعائیں آپ کی تقدیر بدل سکتی ہیں۔

والدین کا علم یونیورسٹی اور کالج سے حاصل شدہ نہ سہی لیکن ان کا تجربہ کسی یونیورسٹی اور کالج کی تعلیم سے کم بھی نہیں۔ ان کی باتیں بھی انمول موتیوں کی مانند ہوتی ہیں صرف ہماری کوتاہی ہوتی ہے کہ ہم جوہر شناس نہیں ہوتے۔ بڑھاپا شعور کی پختگی کا نام ہی تو ہے۔ جب کوئی بوڑھا ہوتا ہے تو اس کی عقل جوان ہو جاتی ہے لیکن ہم صرف اسے بوڑھا سمجھتے ہیں اور بڑھاپے کو ہم ایک بیماری اور عذاب خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ وقت اپنے گرد میلہ لگانے کا ہوتا ہے ان پھلوں کو بانٹنے کا جو ہم نے زندگی میں اکٹھے کیے ان یادوں کو دہرانے کا جو ہمارے لیے سرمایہ سے کم نہیں۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کی

اولاد مؤدب ہو صرف تقاضا کرنے سے بچے آپ کا ادب نہیں کریں گے، آپ اپنے والدین کا ادب کرنا شروع کریں آپ کے بچے آپ کا ادب کرنا شروع کر دیں گے۔ میرے بیٹے کا نام محسن ہے اور میں اکثر اپنی بیوی کو یہ کہتا ہوں کہ "یہ ہمارا محسن ہے اور ہم محسن کے محسن ہیں ہم ساری زندگی یہ مانیں گے کہ یہ ہمارا اپنا محسن ہے اللہ کرے محسن بھی ہمیشہ یہ مانتا رہے کہ ہم محسن کے محسن ہیں" کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ نعیم صاحب کی طرح کل کو میں کسی جگہ بیٹھا اپنے والد کو پاگل اور اپنے بچوں کو بے ادب کہتا پھروں۔

OO

التجا ہے یا رسول اللہؐ

غیر معمولی خیال بھی اس تتلی کی مانند ہوتا ہے جو صرف خوبصورت پھولوں پر بیٹھتی ہے۔ رات اچانک کسی مبارک ساعت میں وقت رکتا ہوا محسوس ہوا، خیال کو رفعت ملی، قلب قبلہ راست ہوا، ڈولی کشتی کا سوار سوالی بنا اور رحمت للعالمین سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور محبت کی یاد ستانے لگی۔
آپ ﷺ جیسا نئی اور شفیق انسان آج تک نہ دنیا پر آیا ہے اور نہ آئے گا۔ کوئی بڑھیا نفرت کے اظہار کے لیے روز کوڑا پھینک رہی ہے۔ اگر ایک دو دن وہ نظر نہیں آئی تو آپ ﷺ اس کے گھر خیریت دریافت کرنے جا رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ خیر ہے آپ نے دو دن سے کوڑا نہیں پھینکا۔ اس جلوۂ رحمت کو دیکھ کر وہ کلمہ حق پڑھ رہی ہے۔ آپ ﷺ اتنے سچے اور امانت دار ہیں کہ دشمن بھی آپ ﷺ کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ مکہ فتح ہو رہا ہے اور آپ ﷺ فتح کے بعد جب شہر میں داخل ہوتے ہیں تو عجز وانکساری کا یہ عالم کہ سر مبارک اونٹنی کی گردن کو چھو رہا ہے دشمن سے فرمایا جا رہا ہے کہ آج کے دن میں تم سے وہی سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تاریخ عالم اٹھا لیجئے کوئی ایسا حکمران نہیں ملے گا جو دشمن کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کرے اور دشمن بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔
آپ ﷺ نے دوسروں کی نادانیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں کا جواب بھی محبت

شفقت اور اُلفت سے دیا۔ کانٹوں کے بدلے پھول سے دامن بھر دیئے اگر کوئی بد بخت گستاخی کر رہا ہے تو جواب میں دعائیں لے رہا ہے ازل سے ابد تک آپ ﷺ سے زیادہ کوئی دانا انسان نہیں۔ آپ ﷺ کی ہر سنت اور حدیث آج بھی حرفِ آخر ہے۔ بقول واصف علی واصفؒ ''پیغمبر کی بات باتوں کی پیغمبر ہے''۔ آپ ﷺ کی رحمت صرف آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک ہی محدود نہیں بلکہ 14 سو سال میں امتِ مسلمہ کو جب بھی ڈوب جانے کے آثار نظر آئے کالی کملی میں سرکار ﷺ ہی نظر آئے۔ اس لیے التجا ہے یا رسول اللہ ﷺ آج پھر اُمت بے کس و نادار ہوگئی ہے۔ آج دہر کی یلغار اور ماحول کی دشواری نے ہمیں بے بس کر دیا ہے ہم اسلام کی خدمت کیا کریں گے۔ یہ اسلام ہی ہے جو چودہ سو سال سے ہماری خدمت کر رہا ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو جانور کے لیے بھی وہ حقوق بیان کئے ہیں کہ اقوام غیر بھی اس اندازِ رحمت پر حیران ہو جاتی ہیں لیکن آج امت کی حالت یہ ہے کہ جانوروں کے حقوق تو کیا یہ تو انسانوں کے حقوق بھی بھول گئے ہیں۔ آج نہ تو انھیں روزِ الست یاد ہے نہ روزِ قیامت۔ اسلام نیت کی خوبصورتی کا مذہب ہے اور یہ قوم حلیے کو اسلام سمجھ کر لباس، انداز اور رواج پر شرک کے فتوے لگا رہی ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ آج ہر نظر سہمی ہوئی ہے ہر دل اُداس ہے۔ کبھی ہم مضبوط چٹان تھے اور آج گرتی ہوئی دیوار ہیں آج پھر اقبالؒ کے اس شعر کے ذریعے یہ التجا دہرائی جاتی ہے۔

اُٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

بے شک آپ ﷺ کی چشمِ کرم ہی اس سوئی ہوئی قوم کو جگا سکتی ہے۔ اسلام محبت اور اخلاص کا مذہب ہے جسے فقط تبلیغ اور جہاد سمجھ بیٹھے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کے نام پر بنا تھا آج اس میں کوئی پاکستانی نہیں بستا بلکہ کوئی سندھی کوئی پنجابی

کوئی بلوچی اور کوئی پٹھان ہونے پر فخر کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر کلمہ گو کو جنت کی
بشارت دی آج مسلمان کم اور سنی، شیعہ اور دیوبند زیادہ بن گئے۔ جہاد حق اور کفر کی
جنگ کا نام ہے یہ آپس میں لڑ کر اُسے جہاد کا نام دیتے رہے آپ ﷺ نے غلطی کی
معافی مانگنے کو بہادری قرار دیا۔ آج نہ ہمیں معافی مانگنی آتی ہے اور نہ ہم معافی دینے
کے عادی ہیں۔

آج پھر اُسی جذبے کی ضرورت ہے جو پاکستان بنتے وقت موجود تھا۔ کوئی مسیحا
آسمان سے اُترے اور تقدیرِ اُمم بدلے۔ فطرت کا اصول رہا ہے کہ جب بھی کوئی قوم
بدی وشر کی انتہا تک پہنچی عذاب آیا مگر قوم عرب گمراہی کی انتہا پر تھی تو اللہ تعالیٰ نے
آپ ﷺ کو رحمتِ دو جہاں بنا کر بھیجا آج پھر آپ ﷺ کے کسی غلام کا انتظار ہے جو محمد
علی جناحؒ اور محمد اقبالؒ جیسا درد رکھتا ہو۔ آج پھر کسی ٹیپو سلطانؒ کی ضرورت ہے جس کی
بہادری سے قومِ فرنگ کی عقل خیرہ ہو جائے آج پھر کسی غازی علم الدینؒ کی ضرورت
ہے جو آپ ﷺ کے عشق سے لبریز ہو اور خود کو مٹا دے۔

رحمتِ کل کائنات عید کے روز بازار سے گزر رہے تھے ایک چھوٹا بچہ دیکھا جو
پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ ﷺ اُس کو گھر لے کر گئے نئے کپڑے پہنائے کھانا
کھلایا اور کمال شفقت سے اُس کو پاس رکھا۔ جب اُسے واپس والدین کے پاس جانے
کو فرمایا تو اُس بچے نے واپس ماں باپ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں
آپ ﷺ کے پاس ہی رہوں گا آپ ﷺ کی شفقت اور دامنِ رحمت میں آ کر مجھے
اپنے والدین بھول گئے ہیں۔ بالکل اُسی صحابیؓ بچے کی طرح آج ذوق کشتی کے
مسافروں کو آپ ﷺ کی شفقت ومحبت کی یاد ستا رہی ہے۔ حق تو نہیں ہے مگر عادت ہی
سی آج ہمارے آنسو آپ ﷺ سے التجا کرتے ہیں کہ نظرِ کرم کیجئے آج ہم بھی واپس
گھر نہیں جائیں گے ہمیں آپ ﷺ سے اُمید ہے ہمیں اپنے دامنِ رحمت میں بٹھا
لیجئے۔ ہمارے پاس ان ندامت کے آنسوؤں کے سوا اب کچھ نہیں بچا۔

آج کا استاد

میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہوں میرے بے شمار دوست بھی اُستاد ہیں اور مختلف اداروں میں پڑھاتے ہیں چند دن پہلے ہم سب دوست ایک کھانے کی محفل میں بیٹھے مصروف گفتگو تھے کہ بات چیت کا موضوع ''اُستاد'' بن گیا۔ اکثر نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اُستاد کی معاشرے میں کوئی عزت نہیں طلباء اور نہ ہی والدین اُن کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کوئی اُستاد کا کہا ماننے کو تیار نہیں سب کی گفتگو سننے کے بعد میں نے اس رائے سے مکمل اختلاف کر دیا کیونکہ میرے شعبہ تدریس سے وابستہ خیالات اور عقائد بہت مضبوط ہیں جو پچھلے 10 سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہیں آج کے معاشرے میں اُستاد کی عزت کیوں نہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب سے پہلے ہمیں ماضی کے اوراق پلٹنے پڑیں گے اور وہ دور یاد کرنا پڑے گا جب بادشاہ اور شہزادے اُستاد جیسی محترم ہستی کی دہلیز پر آنا فخر سمجھتے تھے بڑے بڑے شہزادوں کے دماغ میں اُستاد کے پاؤں دھونے کی خواہش انگڑائیاں لیتی رہتی تھی۔ اُستاد کی توجہ، تقدیر بدلنے کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی علم والے کبھی دنیا والوں کے در کے سوالی نہ بنے تھے۔

''کل اُستاد سلطان تھا اور آج اُستاد ملازم ہے'' (ڈاکٹر سید عبداللہ)

یہ سب ہمارے اپنے ماضی کی باتیں ہیں جس ماضی کو تاریخ جلی حروف میں لکھتی ہے آج اُستاد کی عزت بھی نہیں اور طالب علم بھی علم سے محروم ہیں اس ماضی اور حال کے

اسکے بڑے فرق کی وجہ اقبال اس شعر میں بیان کرتے ہیں:

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

پرانے زمانے میں پیشے فطرت کے مطابق منتخب کیے جاتے تھے اُستاد فطرتاً معلم ہوتا تھا آج اُستاد کو پیٹ پالنے کے لیے صبح سکول و کالج اور شام میں ٹیوشن پڑھانا پڑتی ہے۔ کبھی استاد کی شان بے نیازی کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ اپنے طریقہ تدریس سے بچوں میں بلند نظری، اعلیٰ ظرفی، دور اندیشی اور سخت کوشی پیدا کرتا تھا آج کا استاد طالب علم سے اچھی خاصی فیس بٹور کر اُسے پست اندیشی، کوتاہ نظری، تن آسانی، سہل انگیزی اور بے ایمانی کا تحفہ دے دیتا ہے۔ پھر گلہ کرتا ہے کہ طالب علم عزت نہیں کرتے۔ سورج نکل آئے تو رات کی تاریکی خود ہی غائب ہو جاتی ہے، پھول کو خوشبو دینے کے لیے آج تک کسی بھنورے کو نہیں بلانا پڑا، شمع کے گرد پروانے ہزاروں جمع ہو جاتے ہیں، ہوا اپنی جگہ خود بنا لیتی ہے اور پانی بلند پہاڑی چوٹیوں سے روانی کے ساتھ بہتا ہوا میدانوں کو سیراب کرتا ہے بالکل انہی فطری اصولوں کے مانند ایک حقیقی استاد (Real Teacher) کے سیکڑوں ہزاروں چاہنے والے شاگرد ہوتے ہیں جو اُستادِ محترم کے شاگرد ہونے پر بھی فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہر انسان اس شخص کی بات فوراً مان جاتا ہے جس سے وہ متاثر (Inspire) ہوا ہو۔ آپ کے لیے کسی کی بات تب ہی مستند ہوتی ہے جب وہ شخص آپ کے لیے سند ہو۔ سچ بھی وہ ہے جو سچے کی زبان سے نکلے دانائی ملتی ہی دانا کی تابعداری سے ہے لیکن اُستاد خود دانا اور سچا نہ ہو تو شاگرد بے چارے کا کیا قصور۔ یہ کہنا کہ شاگرد ہی اہل نہیں دراصل اُستاد کی اپنی نا اہلی ہے یہ دیدہ غیر ذمہ داری کو ظاہر کرتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ استاد کا انداز بیان اور شخصیت متاثر کن ہو اور شاگرد اس انداز اور شخصیت کی زد میں نہ آئے۔ استاد قومی نظریات کا پاسدار، ثقافت کو زندہ رکھنے والا، جذبہ و جوش کا پیکر اور ایمان کو تقویت دینے والا ہوتا

تقدیر امم بدل سکتا ہے نیت کی خوبصورتی ہی استاد کی اصل خوبصورتی ہے آقائے دو جہاں کی مشہور حدیث مبارکہ ہے کہ ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'' اسی لیے تو تدریس کو پیغمبری پیشہ کہا گیا ہے۔ طلباء کی سیرت و کردار پر سب سے زیادہ اثر استاد کے رویے کا ہوتا ہے اگر ایک استاد نیک نیتی سے طالب علموں کے لیے بے لوث محنت کر رہا ہے تو اس کا صلہ خدا کی بارگاہ میں ضرور ملے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''اللہ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔''

استاد کا خدا تعالیٰ کی ذات پر ایمان شاگردوں میں ایمان پیدا کرتا ہے حقیقی استاد ایک طاقتور مقناطیس کی مانند ہوتا ہے لوہے کے زنگ لگے ذرات بھی اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق ایک نااہل استاد درحقیقت خود کسی نااہل استاد کا شاگرد ہوتا ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی طالب علم کو کوئی اچھا استاد ملے اور اُس کا مستقبل نہ بدلے۔ عموماً ایک طالب علم میں موجود لاتعداد صفات اُس کے اُستاد کی شخصیت کا عکس ہوتی ہیں کیونکہ ہر بچہ فطری طور پر دوسروں کو کاپی کرتا ہے خاص کر ان کو زیادہ کاپی کرتا ہے جن سے وہ متاثر ہوتا ہے۔

''اگر استاد اہل ہے اور مخلص بھی ہے تو وہ ولی ہے'' (حضرت واصف علی واصفؒ)

محمد اقبالؒ کو بھی سر علامہ محمد اقبالؒ بنانے میں اُن کے استاد مولوی میر حسن کا ہاتھ تھا اقبالؒ ساری زندگی ان کا احترام کرتے رہے ایک دفعہ چند دوستوں کے ہمراہ بازار میں کہیں جا رہے تھے کہ استاد اکرم مولوی میر حسن پر نظر پڑ گئی فوراً ان کی طرف لپکے جلدی میں ایک پاؤں کی جوتی اتر گئی اسی حالت میں استاد جی کو گھر چھوڑ کر واپس آئے اور پھر دوسرا جوتا پہنا۔ استاد کو ایک وقت میں طلبا کا ہمدرد، طلبا کا مشیر، ایک ماہر نفسیات اور مصلح ہونا چاہیے تب جا کر وہ روحانی باپ کہلوانے کا حق دار ہوتا ہے جو استاد خود وطن سے محبت نہیں کرتا وہ اپنے کسی طالب علم کو محب وطن نہیں بنا سکتا جس کا اپنا اخلاق بلند نہیں وہ حسن سلوک کیا سکھائے گا۔ جو طالب علم کے لیے نفرت رکھتے ہوئے ان سے بدلہ لیے

پر تیار ہو جاتا ہے وہ عفو و درگزر کی بات نہ کرے۔ جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد ہے وہ نیت کی صفائی کا تذکرہ نہ کرے۔ جس کی زبان سے طالب علم کے لیے کبھی دو جملے تعریف کے نہ نکلے ہوں وہ تنقید اور اصلاح کیا کرے گا اور جس میں کوئی ذاتی جوہر نہ ہو وہ جوہر شناس کیا بنے گا۔ استاد کو اگر خود عزت احترام کا تقاضا کرنا پڑے تو بھی نالائقی ہے کیونکہ نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی ہو جس استاد کی اپنی کمزوریاں شاگردوں کے سامنے عیاں ہوں وہ شاگردوں کے ذہن میں اپنا طاقت ور تصور پیدا نہیں کر سکتا خوش قسمتی سے مجھے بہت قابل اور مخلص اساتذہ کرام میسر آئے میں اپنی تمام تر کامیابیوں کا سہرا اُن کے نام کرتا ہوں آئندہ اُن کا تذکرہ خیر کروں گا۔ آخر میں اقبالؔ کا یہ شعر موجودہ حالت پر بہت مناسب معلوم ہوتا ہے:

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

OO

واصف علی واصفؒ... ایک زندہ اُستاد

زندگی کے ابتدائی دنوں میں آپ باقاعدہ طور پر شعبہ تدریس سے وابستہ رہے۔ پرانی انارکلی میں نابھہ روڈ پر آپ ایک پرائیویٹ کالج چلاتے تھے۔ جس کا نام "لاہور انگلش کالج" تھا۔ آپ ایک بہت باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ اس کمال کی وجہ سے آپ سے ایک بار ملنے والا بھی آپ کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق ہونے کے ناطے آپ کا اخلاق ایک مثالی اخلاق تھا۔ ملنے والے سے اتنے خلوص سے گفتگو کرتے کہ اُس کا دل موہ لیتے۔ آپ درحقیقت ایک روحانی شخصیت تھے۔ پڑھانے کے دور میں اس روحانیت کا تھوڑا بہت تاثر تو ملتا تھا لیکن آپ کی شخصیت میں ایک خوبصورت اعتدال اور توازن ہونے کی وجہ سے یہ روشنی بھی آپ کی ذات سے چھن چھن کر نکلتی تھی۔ اس کا اندازہ کوئی صاحبِ دل ضرور لگا سکتا تھا۔

جوانی کے ایام میں ہی مقابلے کا امتحان پاس کیا لیکن طبیعت کی درویشی افسر شاہی بننے پر مائل نہ ہو سکی۔ تدریس جو آپ کا شوق بھی تھا، کو ذریعہ معاش بنانا پسند کیا۔ آپ کو خدا نے بولنے پر کمال قدرت عطا کی تھی۔ آپ انگریزی ادب کے اُستاد تھے۔ جب آپ شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ پڑھاتے تو ذہن میں خود بخود منظر کشی ہوتی جاتی بلکہ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ ڈرامے کے تمام واقعات ہمارے سامنے ہی وقوع پذیر ہو

رہے ہیں۔ آپ کی گفتگو دل کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی آپ کے سامنے سینکڑوں
طالب علموں کی کلاس موجود ہوتی تھی مگر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر کوئی زمان و
مکاں سے آزاد ہو کر آپ کی باتوں کے سحر کا شکار ہو جاتا تھا۔

قدرت نے آپ کو کمال حافظہ عطا کیا تھا۔ ہزاروں شاگردوں کے نام زبانی یاد
تھے۔ مختلف واقعات پر کی جانے والی گفتگو آپ کو حرف بہ حرف یاد رہتی۔ آپ فرمایا
کرتے تھے۔ "اللہ والے کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آجاتا ہے اور دنیا والے کے پاس بیٹھ
کر دنیا کا خیال زندہ ہو جاتا ہے"۔ آج آپ کی سنگت کے لوگ اس بات کے گواہ ہیں
کہ آپ کی محفل اور آپ کی قربت خدا کے قریب کر دیتی تھی اور انسان کے ایمان کی
کیفیت بدل جاتی تھی۔ آپ ہر ایک طالب علم کے ذاتی جوہر کو پہچان لیتے تھے۔ آپ
فرماتے تھے کہ "ہر شعبے میں اچھے بندوں کی ضرورت ہے" اس لیے اگر آج دیکھا جائے
تو ہر شعبہ میں واصف علی واصف صاحب" کے ہونہار اور ایمان دار شاگرد موجود ہیں۔
آپ فرماتے "ادارے کے سربراہ کو بہتر کر دو ادارہ خود بہتر ہو جائے گا"۔

آپ ایک مختصر فقرے میں انتہائی گہری بات کو بیان کرنے کے فن سے بہرآور
تھے۔ آپ کے ہر کہے ہوئے فقرے میں معانی کا ایک دریا موجزن ہے۔ کسی نے
پوچھا خوش نصیب کون ہے؟ آپ نے فرمایا "جو اپنے نصیب پر خوش رہے وہ خوش
نصیب ہے" کسی نے دریافت کیا کہ پریشانی کیوں پیدا ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا
"پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے" ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "جتنا
ہم اللہ پر راضی ہیں اتنا اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے" کسی نے عرض کی کہ اللہ سے دوستی
کیسے کی جائے؟ آپ نے فرمایا "جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہے آپ اس کے دوست بن
جاؤ" ایک روز فرمانے لگے کہ "اس شخص کو روشنیوں کے میلے سے کیا حاصل ہو گا جس
کے اپنے دل میں روشنی موجود نہ ہو"۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو لاتعداد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ ایک وقت میں ایک

کامیاب استاد، شاعر، مصنف، مقرر، اچھے انسان، عاشق رسولؐ اور ولی اللہ تھے۔ آپ کی تحریریں ایمان کو تقویت بخشتی ہیں۔ زندگی کیسے گزارنا ہے اس کا جواب آپ کی تحریروں سے حاصل کیا جا سکتا ہے آپ نے اپنے دور کے بڑے بڑے دانش وروں کے اذہان کو متاثر کیا جن میں اشفاق احمد، بانو قدسیہ، ڈاکٹر سہیل عمر، ڈاکٹر اکرام چغتائی اور حنیف رامے شامل ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو خود گفتار کے غازی ہونے کے باوجود واصف علی واصف کی محفل میں باادب اور ہمہ تن گوش ہو کر دانائی کے موتیوں سے اپنے دامن بھر رہے ہوتے تھے۔ آپ کی بے شمار کتابیں ہیں۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

1۔ شب چراغ۔ شب راز۔ بھرے بھڑولے (شاعری)
2۔ حرف حرف حقیقت۔ دل دریا سمندر۔ قطرہ قطرہ قلزم (مضامین)
3۔ کرن کرن سورج۔ بات سے بات۔ دریچے (نثر پارے)
4۔ گفتگو 1 تا 26 (سوال وجواب)
5۔ Beaming Soul / Ocean in a drop (Essays)
6۔ گمنام ادیب (خطوط)

میں اور میری طرح کے بے شمار چاہنے والے واصف علی واصف صاحب کو زندگی میں نہ مل سکے لیکن ان کی تصانیف سے شعورِ زندگی حاصل کرنے ہی کی وجہ سے ہم انھیں اپنا محسن اور استاد مانتے ہیں۔ آپ 18 جنوری 1993ء کو پرائے لوگوں کے درمیان ایک مددگار اور رہنما کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے بعد اپنے دیس واپس چلے گئے لیکن آپ کی بے لوث خدمت، دوسروں کو دی گئی محبت اور ہدایت وفلاح بخشنے والی تحریریں آپ کو ہمیشہ زندہ وسلامت رکھیں گی۔ کیونکہ واصف علی واصف صاحب ایک ایسے استاد تھے جو جانے کے بعد بھی استاد ہی مانے جائیں گے۔

○○

صبر کا پھل میٹھا

انسان فطرتاً بہت بے صبرا ہے ہر بچے کو بڑا ہونے کی جلدی ہوتی ہے لیکن جب وہ بڑا ہوتا ہے تو ذمہ داریوں کے بوجھ پڑتے ہیں اور وہ بچپن کی یادوں کو تازہ کر کے آنسو بہاتا ہے کہ کاش میں بڑا نہ ہوتا بے شمار مسافتیں وقت نے طے کرنا ہوتی ہیں۔ ہمیں صرف صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہوتا ہے۔ ہر بچے نے محنت کے بغیر ہی جوان ہونا ہے اور ہر جوان نے کوشش کے بغیر بوڑھا، وقت کبھی نہیں رُکتا۔ اس کو روکنے کی بجائے آپ کو اس کے ساتھ بھاگنا پڑتا ہے۔ نوجوانی کا دور بہت قیمتی ہوتا ہے ہر نوجوان میں جذبے اور ہمت کی فراوانی ہوتی ہے۔ ضرورت فقط درست سمت اور مستقل مزاجی کی ہے ٹرین کی دو پٹریاں جب کسی جنکشن پر جدا ہوتی ہیں تو شروع میں پاس پاس معلوم ہوتی ہیں لیکن چند گھنٹوں کی مسافت کے بعد دونوں کی منزل جدا ہو چکی ہوتی ہے کوئی ٹرین کا مسافر اگر منزل پر جلدی پہنچنے کے لیے چلتی ٹرین سے اُتر جائے تو یقیناً منزل کی بجائے ہسپتال پہنچ جائے گا۔ اس لیے ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ جلد باز نقصان نہ اٹھائے اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ صبر کرنے والا کامیاب نہ ہوا ہو۔

کہتے ہیں کہ ایک مرید کو اسم اعظم حاصل کرنے کا شوق سر پر سوار ہو گیا۔ وہ اپنے صاحب کے پاس گیا۔ صاحب نے کل آنے کو کہا۔ اگلے دن جب اس نے وہی تقاضا کیا تو صاحب نے پھر کل پر بات ٹال دی اس طرح یہ ٹال مٹول کافی دن تک چلتی

رہی آخر ایک دن تو مرید رو ہی پڑا پیر صاحب کو بھی کچھ ترس آیا انھوں نے کہا میرا ایک
کام کر دے اس کے بعد اسم اعظم تیرا۔ مرید نے فوراً حامی بھر لی پیر صاحب نے ایک
لکڑی کا بند ڈبہ دیا اور کہا اس کو کھولنا نہیں اس میں کسی کی امانت ہے اس ڈبے کو فلاں
علاقے میں موجود پہاڑ کے غار تک لے کر جانا ہے وہاں میرا ایک درویش دوست قیام
پذیر ہے اُس کو یہ امانت سونپ دینا۔ مرید نے ڈبہ اٹھایا اور منزل کی طرف رواں دواں
ہو گیا راستے میں اُس کے دل میں خیال آیا کہ آخر اس ڈبے میں ہے کیا کیوں نہ اسے
کھول کر دیکھا جائے لیکن پیر صاحب کے حکم کی پاس داری بھی رکھنی تھی اس لیے نہ
کھول سکا۔ پھر تجسس بڑھتا اور وہ سوچتا کہ اس ڈبے کو کھول کے دیکھنے میں حرج ہی کیا
ہے۔ آخر کار اس سے رہا نہ گیا اور اس نے ڈبہ کھول دیا اس میں ایک چوہا بند تھا وہ فوراً
بھاگ گیا اور خالی ڈبہ ہاتھ میں رہ گیا اب اس کی پریشانی بہت بڑھ گئی کہ خالی ڈبے کو
میں کس کے پاس لے کر جاؤں آخر شرمندگی کے جذبات کے ساتھ واپس پیر صاحب
کے پاس لوٹا اور اُن سے کہا کہ مجھے معاف کر دیں کیونکہ امانت میں خیانت ہو گئی
پیر صاحب نے فرمایا تو تو بہت بے صبرا ہے تجھ سے ایک چوہا نہیں سنبھالا جاتا اسم اعظم
کہاں سے سنبھالے گا۔

بڑی کامیابی سب سے زیادہ جو چیز مانگتی ہے وہ ہے وقت مگر کامیابی کی یہی وہ
قیمت ہے جو آدمی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ایک بہت بڑے سیٹھ کو ایک باغ بہت
خوبصورت لگا سیٹھ نے فوراً مالی کو طلب کیا جس نے یہ دلکش باغ سجایا تھا۔ مالی حاضر
ہو گیا سیٹھ صاحب نے حکم دیا کہ جتنا پیسہ لگتا ہے لگا دو کل ہی اسی طرح کا باغ میرے
بنگلے پر بھی بنا دو بوڑھا مالی جرأت سے بولا "سیٹھ صاحب یہ باغ پیسہ نہیں وقت مانگتا ہے
میں نے ساری عمر اس باغ کے نام کی ہے جب جا کر یہ گلزار بنا ہے اور سیٹھ صاحب آپ
کہتے ہیں کل ہی یہ باغ آپ کے بنگلے کی زینت بنے۔ بالکل اسی طرح زندگی کو باغ کی
طرح خوبصورت بنانے کے لیے ایک عمر چاہیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آج بیج بویا جائے

اور کل پھل مل جائے اس لیے بیج بونے اور پھل حاصل کرنے کے درمیانی وقت کو بھی کامیابی کی قیمت کہا جاسکتا ہے۔

شام کے وقت سورج غروب ہو جاتا ہے اور آپ دوبارہ صبح کا منظر دیکھنا چاہیں تو آپ کو پوری رات انتظار کرنا پڑتا ہے رات میں لاکھ مصنوعی روشنیاں روشن کرلی جائیں سورج کا نعم البدل نہیں ہوسکتیں قدرت کے تمام واقعات کے ظہور کے لیے ایک وقت مقرر ہے کوئی کامیابی اپنے مقررہ وقت سے پہلے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ کے ہاں نہ سیکنڈ ہیں نہ منٹ اور اس کی اپنی گھڑی ہے جب آپ کی گھڑی کی سوئیاں مل جائیں تو انتظار کا وقت ختم ہو جاتا ہے تب تک صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ آپ خود کو ان معاملات میں پریشان ہونے کی اجازت دیں جن میں آپ کا دخل ہے باقی اللہ پر چھوڑ کر صبر کریں جس طرح میاں محمد بخش صاحب فرماتے ہیں۔

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

کامیابی پر کی جانے والی ریسرچ کے مطابق عموماً ایک ادارہ یا شخص کم از کم 15 تا 20 سال کی مسلسل محنت کے بعد کامیاب ہوتا ہے۔ ایڈیسن کئی سال تک بلب بنانے میں جتا رہا۔ پولیو کی ویکسین کو تیار کرنے میں 25 سال لگ گئے۔ امریکیوں نے چاند پر جانے کے لیے ایک بڑا سرمایہ صرف کیا اور کئی سالوں کی کوششوں کے بعد چاند پر امریکیوں نے جھنڈا گاڑا۔ اللہ کے نبیؐ دنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب لائے آپؐ کو 23 سال لگ گئے جس کے دوران آپؐ نے لاتعداد تکلیفوں کا سامنا کیا اور ڈٹے رہے۔ پاکستان بنانے کے لیے بے شمار مسلمانوں نے خون کا نذرانہ پیش کیا اور اس مشن کو پورا کرنے میں صدیاں صرف ہوگئیں۔ آپ سوچیے اگر یہ تمام بڑے کام مشکلات اور پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے درمیان میں ترک کر دیے جاتے تو کیا حاصل ہوتا اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ صبر کے دامن کو پکڑے رکھیں اور کامیابی آپ کے قدم نہ چومے۔

اگر آپ کی نیت اچھی ہے یعنی آپ کی کامیابی سے آپ کو اور دوسروں کو بھی فائدہ ملتا ہے
اگر آپ محنت کرنے کے لیے تیار ہیں، اگر آپ کے کام کرنے کی سمت درست ہے اور
اگر آپ واقعی ہی کامیابی حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں تو صبر کو اپنی عادت کا حصہ
ضرور بنالیں انشاءاللہ کامیابی آپ ہی کے قدم چومے گی۔ صبر ہمت کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ
جسمانی قوت کا شکوہ شکایت ترک کر دینا بھی صبر کہلاتا ہے۔ مشکل پاس ہو تو بھی بیان
کرنے کو دل نہ چاہتا بھی صبر کے زمرے میں آتا ہے دنیا کا کوئی دانشور ایسا نہیں جو
احمقوں کے ساتھ رہ کر صبر نہ کرتا رہا ہو۔ دانائی نام ہی احمقوں کے ساتھ صبر سے گزارا
کرنے کا ہے جلد باز منہ کے بل گرتے ہیں مالک نے سب کی روزی کا بندوبست خود
کر رکھا ہے اس لیے بے صبری کیسی؟ اس لیے کہا جاتا ہے کہ صبر بظاہر کڑوا معلوم ہوتا
ہے لیکن اس کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے بقول شاعر:

صبر دا پھل مٹھا ہوندا تے بے صبرا پھل کوڑا
منزل نوں اوہ پا نہیں سکدا جہیڑا پے جاندا اے سوڑا

OO

آپ کے لیے ایک اہم نصیحت

بادشاہ نے ایک خواب دیکھا خواب میں ایک بزرگ نے تین ایک جیسے ہیرے بادشاہ کو دیے اور سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ ان تینوں میں سے کون سا ہیرا قیمتی ہے بادشاہ جواب نہ دے پایا صبح بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص مجھے بزرگ کے سوال کا جواب دے گا میں اسے انعام واکرام سے نواز دوں گا۔ لیکن کوئی بھی جواب نہ دے پایا کیونکہ کسی نے بھی وہ تینوں ہیرے دیکھے نہ تھے۔ رات پھر وہی خواب آیا بزرگ نے اپنا سوال دہرایا اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ میں نے وہ ہیرے تمہاری تجوری میں رکھ دیے ہیں اب بتاؤ کہ تینوں میں سے کون سا ہیرا قیمتی ہے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی صبح ہونے والی تھی اُس نے اپنی تجوری دیکھی تو واقعی وہاں تین ایک جیسے ہیرے پڑے تھے صبح ہوتے ہی بادشاہ نے پورے ملک سے سمجھ دار جوہری طلب کیے اور انھیں یہ ہیرے دکھا کر وہی بزرگ والا سوال پیش کیا مگر کوئی جواب نہ دے پایا کیونکہ تینوں ہیرے وزن، رنگ، چمک اور حجم کے لحاظ سے بالکل ایک جیسے تھے شام تک بادشاہ بہت مایوس ہو گیا کیونکہ اُس کو ڈر تھا کہ رات خواب میں بزرگ نے وہی سوال دہرانا ہے اور مجھے جواب کا علم نہیں ہو سکے گا۔ دربار برخواست ہونے والا تھا کہ ایک بہت دانا حکیم تشریف لے آیا اُس نے کہا کہ میں یہ بتا سکتا ہوں کہ قیمتی ہیرا کون سا ہے؟ لیکن اس کے لیے ان تینوں ہیروں کو سب سے بڑے جنگلوں کے پاس لے کر جانا پڑے گا بادشاہ اس شرط پر متفق ہو

گیا اور حکیم صاحب بادشاہ، درباریوں اور تینوں ہیروں کے ہمراہ مندر میں تشریف لے گئے انھوں نے پہلا ہیرا بھگوان کے کان میں پھینکا کیونکہ دونوں کانوں کے درمیان میں رستہ بنا ہوا تھا اس لیے وہ ہیرا دوسرے کان سے باہر نکل آیا۔ دوسرا ہیرا بھی اس طریقے سے پھینکا گیا وہ بھی باہر نکل آیا لیکن تیسرا ہیرا کانوں کے درمیان دماغ میں معلق ہو گیا دانا حکیم فوراً بولا یہ ہیرا سب سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ یہ بھگوان کے ذہن میں سما گیا۔

ہر بات، ہر قول، ہر رائے اور ہر فرمان بہت قیمتی ہوتا ہے لیکن آپ کے لیے وہی نصیحت قیمتی ہے جو آپ کے ذہن میں سما جائے اور اس طرح سما جائے کہ آپ اس پر عمل کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ کیا جانے والا آسان کام نصیحت ہے اور سب سے مشکل کام نصیحت پر عمل کرنا ہے۔ نصیحت آسانی سے، ہر جگہ، ہر وقت، ہر کسی سے مفت مل جاتی ہے۔ لوگ جس کمال کی نصیحتیں دوسروں کو کرتے ہیں اگر خود اس پر عمل پیرا ہوں تو دنیا کیا سے کیا بن جائے۔ جس طرح ہر کوئی نصیحت کرنے کا عادی ہے ہم بھی نصیحت سننے کے عادی ہو چکے ہیں بچپن سے یہ نصیحتیں کی جاتی ہیں کہ "محنت کرو، محنت میں عظمت ہے"، "ایمان داری بہت ضروری ہے"، "نماز کے بہت فائدے ہیں"، "جھوٹ بولنا بُری بات ہے" وغیرہ اتنے عرصے سے ان نصیحتوں کو سننے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم سب کو پتا ہے کہ محنت میں عظمت ہے لیکن آج کتنے لوگ محنتی ہیں؟ دنیا سست اور کاہل لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ ایمان داری کے بہت سے فائدے ہمیں پتا ہیں لیکن ایمان داری کا رستہ اختیار کرنا بہت مشکل لگتا ہے سب کو پتا ہے کہ نماز فرض ہے، قرآن میں جگہ جگہ نماز کے متعلق احکام موجود ہیں لیکن نماز کے متعلق اتنا جاننے کے باوجود بھی ہر کوئی نمازی نہیں۔ جھوٹ بری بلا ہے، سب جانتے ہیں کہ ایک جھوٹ چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں جھوٹ کے حوالے سے دو آیات اور تین احادیث بھی سب کو یاد ہیں مگر آج سچے کہاں چلے گئے اس لیے یہ ساری نصیحتیں کتابی باتیں معلوم ہوتی

ہیں اور ہم فقط یہ کہہ کر خوش ہوتے رہتے ہیں کہ

"Knowledge is a Power"

حالانکہ درست فقرہ یہ ہے:

"Implementation of Knowledge is a Power"

صرف علم بڑھانے اور نصیحتیں سننے سے بات نہیں بنتی بلکہ عمل کرنے سے ہی دنیا بدلتی ہے خوش نصیبی یہ ہوتی ہے کہ ایک انسان کے پاس جتنا علم ہے اتنا ہی عمل بھی ہو۔

نصیحت تب مؤثر ہوتی ہے جب نصیحت کرنے والا آپ سے مخلص ہو وہ اپنے علم کا رعب نہ ڈالے بلکہ وہ اپنے علم کو بھی عاجزی اور اخلاص سے پیش کرے وہ شخص جو آپ کو (Inspire) نہیں کرتا اس کی نصیحت آپ پر کبھی اثر نہیں کرے گی اگر ڈاکٹر پر بھی آپ کو یقین نہ ہو اور آپ اُس کی تشخیص کے طریقہ کار سے متاثر نہ ہوں تو اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا بہترین نسخہ بھی آپ کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ ہماری نئی نسل مسجد کے مولوی صاحب سے متاثر نہیں ہوتی کیونکہ مُلا حضرات کی زندگی کے بے شمار گوشے کمزوریوں کا شکار ہوتے ہیں مالی طور پر مولوی صاحب مضبوط نہیں ہوتے اس لیے صدقہ و زکوٰۃ اور سپارے پڑھا کر گھر کا انتظام و انصرام چلتا ہے آج کا نوجوان Modern تعلیم اور جدید انداز کا قائل ہے۔ اسے مولوی صاحب کی بجائے کوئی دوسرے شعبوں میں کامیاب ہونے والی شخصیت زیادہ متاثر کرتی ہے اس کی عملی مثال یہ ہے کہ جیسے ہی جمعہ کا خطبہ ختم ہوتا ہے لوگ صرف نماز کے لیے مسجد کا رخ کرتے ہیں۔ بہترین مذہب کو پیش کرنے کے لیے خوب سیرت، ذہین، جدید تعلیم اور موجودہ دور کے تقاضوں سے آشنا لوگوں کی ضرورت ہے۔

نصیحت تب زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے جب نصیحت سننے والے کو نصیحت سننے کا شوق ہو کیونکہ سننے والے کا شوق بولنے والے کی زبان کو طاقت دیتا ہے۔ اس کے لیے یہ دیکھا جائے کہ کس کو کس چیز کی ضرورت ہے لوگ روٹی کا تقاضا کریں اور آپ ان کو

کر بڑھانے پر لگا دیں یہ کہاں کی سمجھ داری ہے۔ نصیحت کرنے والے کے لیے ضروری
ہے کہ وہ تنقید اور طنز نہ کرے بلکہ محبت کرے عزت دے، تعریف کرے اور خیر خواہی
ظاہر کرے۔ مخلص دوست آپ کی تعریف بھری محفل میں کرے گا اور آپ کی خامی آپ
کو تنہائی میں بتائے گا۔ اس شخص کی نصیحت کبھی اثر نہیں کرتی جو خود اس پر عمل نہ کر رہا ہو۔
کہتے ہیں ایک ماں اپنے بچے کو نبی پاکؐ کے پاس لے کر گئی اور عرض کی کہ میرا بچہ گُڑ
بہت کھاتا ہے اس کو منع کریں کہ یہ گُڑ کھانا چھوڑ دے نبی پاکﷺ نے فرمایا کہ کل
میرے پاس آنا یہ کام میں کل کروں گا اگلے روز نبی پاکﷺ نے بچے کو نصیحت کی اور
بچہ گُڑ کھانا چھوڑ گیا ایک صحابیؓ نے بعد میں پوچھا کہ آپﷺ نے پہلے دن منع کیوں نہ
کیا اس میں کیا حکمت کار فرما تھی نبی پاکﷺ نے فرمایا کہ اس روز میں نے خود گُڑ کھایا
ہوا تھا۔

کوئی انسان مکمل نہیں ہر ایک کو نصیحت اور مشورے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن
آپ کو یہ ضرور جان لینا چاہیے کہ ہر شخص مشورہ دینے کے قابل نہیں ہوتا۔ بے وقوف
دوست چاہے جتنا مرضی مخلص ہو اس سے مشورہ کبھی نہ لیں کوئی صاحب دانش اور عقل
سمجھ کا بادشاہ آپ کا رشتے دار ہے لیکن اگر وہ آپ سے مخلص نہیں تو اس کی نصیحت بھی
زہر قاتل ہے آپ کے لیے ایک اہم نصیحت یہ ہے کہ نصیحت ہمیشہ دانا اور مخلص انسان
سے حاصل کریں جو آپ کا خیر خواہ ہو اور آپ اس پر مکمل یقین اور اعتماد رکھتے ہوں۔

OO

من کی باتیں

آج کے دور میں سچا اور کامل گرو (اُستاد) کہاں سے ملتا ہے۔ یہ باتیں، قصے، کہانیوں میں ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں ہمارے بزرگ اس رائے پر یقین نہیں رکھتے اُن کے مطابق ایک سچا شخص ہی سچے کی تلاش کر سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی سچی طلب ہی آپ کو سچ اور حق سے آشنا کراتی ہے۔ وہ کہتے ہیں دراصل ہمیں کسی گرو کی حقیقی تلاش نہیں ہوتی بلکہ ہمیں کوئی کام ہوتا ہے جو ہم اُس گرو سے نکلوانا چاہتے ہیں اس لیے کسی چھوٹے موٹے کام کے لیے سچے گرو کی کیا ضرورت اور وہ گرو ہی کیا جو آپ کو ملنے کے بعد آپ کے دو ٹکے کے کام پر خرچ جائے۔ گرو حال میں ملے تو ماضی بھلا دیتا ہے اور مستقبل سنوار دیتا ہے۔ گرو بتاتا ہے کہ مستقبل بھی کوئی مقام نہیں ہے کہ جہاں ہم جا رہے ہیں، مستقبل تو ہم خود تخلیق کرتے ہیں۔ گرو یہ بات منوا لیتا ہے کہ راستے پائے نہیں جاتے بلکہ بنائے جاتے ہیں۔ گرو کے ملنے کے بعد آپ جان جاتے ہیں کہ غربت اور دولت مندی دونوں ہی سوچ کی پیداوار ہیں لیکن میرا سوال ہمیشہ ہی ہوتا ہے کہ ہمیں اتنی پیچیدگی کیوں محسوس ہوتی ہے تو ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ خدا نے تو ہمیں سیدھا سادہ بنایا تھا ہم نے ہی خود کو بے حد پیچیدہ بنا لیا ہے۔ ''ہائے! آخر ہم سرل پر کیوں نہیں پہنچے'' اس سوال کو سن کر وہ تھوڑی دیر کی خاموشی اختیار کرتے ہیں اور پھر راز افشا کر دیتے ہیں کہ ''دس قدم آگے اور دس قدم پیچھے چلنے والا آخر وہیں موجود ہوتا ہے

جہاں سے اس نے سفر کی ابتداء کی ہوتی ہے''۔ اگر کوئی پریشان چہرہ لے کر ہمارے
بزرگوں سے یہ پوچھ ہی لیتا ہے کہ ''مجھے کسی جگہ سکون نہیں ملتا'' تو بابا جی گرجدار آواز
میں کہتے ہیں کہ ''بیٹا سکون تجھے کہاں سے ملے تیرے اندر بے سکونی کا سمندر ٹھاٹھیں
مار رہا ہے کیونکہ ہمارے گردوپیش کے حالات کا دارومدار اس امر پر ہے کہ ہمارے اندر
کیا ہے''۔ ایک دن میں تھکا ہارا بابا جی کے حضور پیش ہوا اور سوال کیا کہ راستے میں
رکاوٹیں بہت ہیں اس کے لیے ہم کیا کریں؟ بابا جی فرمانے لگے اچھے راستے میں
رکاوٹیں زیادہ ہوتی ہیں اگر رکاوٹیں کم ہوں تو وہ اچھا راستہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ باقی
ہمارے ذہن کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی سوائے اس کے جسے ہم رکاوٹ مان
لیتے ہیں''۔ کسی دانش ور نے اس بات کی وضاحت چاہی کہ کامیاب زندگی کا دارومدار
کس بات پر ہے؟ اور ساتھ درخواست کی کہ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔ محترم
بزرگ جلالی انداز میں گویا ہوئے کہ ''جو بات ہے ہی مختصر اسے میں تفصیل میں کیسے
بیان کروں اور بتایا کہ کامیاب زندگی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ تم بچوں کے ساتھ
کتنی شفقت برتتے ہو، بوڑھوں کی کتنی خدمت کرتے ہو، مصیبت زدوں سے کتنی
ہمدردی کرتے ہو اور کمزوروں کے ساتھ کتنا درگزر سے کام لیتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے
کہ تم زندگی میں کبھی نہ کبھی ان سارے مراحل سے گزرو گے'' ایک دن فرمانے لگے کہ
کیا تمہیں معلوم ہے کہ اچھا استاد ہمیشہ زندہ کیوں رہتا ہے؟ سب نے کوئی خاص جواب
نہ دیا تو کہنے لگے کہ ''جس انسان کی تربیت دوسروں کو فائدہ دینے لگے وہ کیسے مر سکتا
ہے'' پھر جلالی انداز میں بولے ''اس انسان کو مت ڈبوؤ جس نے تمہیں تیرنا سکھایا۔
جس انسان سے تم نے کاروبار کے اصول سیکھے، اس کے مقابلے میں کاروبار مت کرو
کیونکہ کاروبار تو شاید خوب چلے لیکن اس میں خیروبرکت شامل نہیں ہوگی''۔ بچوں کی
تربیت کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ ''اب والدین بچوں کے لیے بہت کچھ کرتے
ہیں تو بچے اپنے لیے کچھ بھی نہیں کرتے اس لیے بچوں کو نکما بنانے کے لیے ذمہ دار

بتاؤ" ایک دن ہمارا سوال تھا کہ" کچھ لوگ ہمارے لیے بہت کچھ کرتے ہیں ہم اُن کے احسانات کا جواب کیسے دیں؟ فرمانے لگے محسن وہ ہوتا ہے جس کے احسانات واپس نہ اُتارے جاسکیں لیکن اگر زیادہ ہی دل مائل ہو کہ احسانات کا جواب دینا ہے تو وہ آسانیاں جو آپ تک آپ کے محسنوں نے پہنچائیں انھیں امانت جان کر دوسروں تک پہنچانا شروع کرو"۔ نوجوان نے سوال کیا کہ ہم اتنی بے بسی کی زندگی کیوں گزار رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ بے بس تھوڑے ہو، تم جو کچھ کرنے کے اہل ہو اگر کر گزرو تو تم خود حیران رہ جاؤ بس مسئلہ ایک ہے کہ تمھیں خبر ہی نہیں کہ تم کیا کچھ کر سکتے ہو۔

نا اُمیدی کے اس دور میں اُمید کے چراغ روشن کرنا بڑی بات ہے اسی لیے دانائی شاید کسی دانا کی تابع داری سے ملتی ہے۔ ان سن کی باتوں کو جان کر ہم نے سچے گرو کی تلاش چھوڑ دی تو سچی طلب کی تلاش شروع کر دی کیونکہ سچ کی تلاش کوئی سچا ہی کر سکتا ہے۔

OO

اندازے بدل سکتے ہیں

عام طور پر ہمیں اس قسم کے جملے سُننے کو ملتے رہتے ہیں کہ:

1۔ بغیر سفارش کے نوکری نہیں ملتی۔
2۔ پریشانیاں اتنی زیادہ ہیں کہ لوگ ان کا مقابلہ کرتے ہوئے مرجاتے ہیں۔
3۔ نقل لگانے سے نمبر زیادہ آتے ہیں۔
4۔ اس دنیا میں ہر شخص پہلے اپنے مفاد کو سوچتا ہے۔
5۔ اچھے لوگوں کا ملنا تقریباً ناممکن ہے۔
6۔ اگر قسمت ساتھ دے تو آدمی کامیاب ہوسکتا ہے۔
7۔ ہم بہت گناہ گار ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں بخشے گا۔
8۔ محنت کرنے والے کی کوئی قدر نہیں کرتا یا ایمانداری کی کوئی قدر نہیں کرتا۔
9۔ نماز اور ورزش کے لیے صبح اٹھنا ناممکن ہے۔
10۔ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے کیونکہ میرا قد بہت چھوٹا ہے۔
11۔ ہر کوئی گناہ اور غلطیاں کر رہا ہے اب اچھائی کا زمانہ کہاں۔
12۔ ساری دنیا بے وفا ہے۔

کیا یہ تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہیں؟ یہ سب اندازے ہیں اور محدود انداز فکر کے نتیجے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تمام باتیں بعض مخصوص حالات کے زیر اثر درست

ہیں لیکن ان کو بولنے والے انھیں مکمل درست سمجھتے ہیں۔ اندھے کے لیے دیوار اور پہاڑ دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ دونوں کو ہاتھ سے محسوس کرسکتا ہے لیکن آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا اس لیے وہ صرف اندازے لگاتا ہے۔ اندازہ وہ راستہ ہے جس کے ذریعے آپ کسی شے کو محدود حوالوں سے جان کر اپنی غیر حقیقی رائے قائم کرلیتے ہیں۔ اندازے رنگ دار عینک کی مانند ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے کالی عینک لگا کر دنیا دیکھی ہے تو رنگوں سے بھری ساری دنیا آپ کو کالی نظر آئے گی۔ لوگ کوئی اندازہ لگانے کے بعد غیر ارادی طور پر اُس کی تصدیق کے لیے ثبوت تلاش کرنے لگتے ہیں اور عام طور پر انھیں اندازے کے حوالے سے ثبوت مل ہی جاتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کا اندازہ یقینِ محکم کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ وہ یقین جو حقیقت پر مبنی نہ ہو زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔

نوجوان اپنی ذات اور صلاحیتوں کے حوالے سے خود اندازے لگاتے رہتے ہیں اور لوگوں کی رائے وصول کرتے رہتے ہیں۔ یہ اندازے اُن کی صلاحیتوں کو محدود کر دیتے ہیں۔ محدود صلاحیتیں محدود نتائج کو جنم دیتی ہیں۔ اپنے بارے میں قائم کردہ اندازے آپ کی مدد بھی کرسکتے ہیں اور آپ کی کامیابی کی راہ میں حائل بھی ہوسکتے ہیں۔ بادشاہ کے دشمنوں نے شہزادے کو انتہائی غلیظ ماحول میں رکھا تاکہ وہ نفسانی خواہشات کا عادی ہو جائے اور کل کو بادشاہ بننے کا اہل نہ رہے لیکن ایک طویل عرصے تک اخلاقی بدحالی والے ماحول میں رہنے کے باوجود بھی شہزادے نے خود کو ان خواہشات کا غلام نہ بنایا۔ شہزادے سے سوال پوچھا گیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ تم نے خود کو اس ماحول میں نہ ڈھالا۔ شہزادہ بولا "یہ رستہ میں اس لیے اختیار نہیں کرسکتا کیونکہ میں بادشاہ بننے کے لیے پیدا ہوا ہوں" اور ایک وقت ایسا آیا کہ وہی شہزادہ وقت کا حکمران بنا۔ اس مثال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آپ اپنے متعلق ایک مثبت اور مضبوط اندازہ قائم کرلیں تو کوئی طاقت آپ کو رستے سے نہیں ہٹا سکتی۔

یقین کر لیجیے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کامیاب انسان بننے کے لیے دنیا پر بھیجا

ہے۔ اگر آپ نے اپنی کامیابی کا خواب دیکھا ہے تو یہ یقیناً حقیقت میں بدل سکتا ہے۔
اپنے فرضی نظریات (Myths) کو آزاد کیجیے۔ چیزوں اور واقعات کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی عادت ڈالیں۔ اس بات پر غور کریں کہ لوگ کن راستوں کو اپنا کر کامیاب ہوتے ہیں۔ آپ بھی ان حقائق کو جانیے اور حقیقت پر مبنی سوچ اپنایئے اس طرح آپ بام عروج تک پہنچ جائیں گے۔ ہم حواسِ خمسہ کے ذریعے اردگرد کے ماحول سے معلومات اکٹھی کرتے ہیں جن سے ہمارے ذہن میں مفروضے قائم ہو جاتے ہیں۔ ہماری یادداشت انہی اندازوں اور مفروضوں سے بھر جاتی ہے اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ذہنی نقشہ اصل علاقے کی تفصیل نہیں بتا سکتا۔ جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے ہم اُسے سچ سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت اس سے بھی مختلف ہو سکتی ہے۔

ہم بے شمار اندازوں کی مدد سے زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ برسوں کے تجربات ہمارے مفروضوں کو اعتقادات میں بدل دیتے ہیں اور یہ عقائد ہماری کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ راستے کی ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے آپ ایک عادت اپنائیں۔ وہ اندازے، مفروضے اور قیاس جو آپ کے لیے بے سکونی کا باعث بن رہے ہیں اُن کے حوالے سے خود سے سوال کریں کہ کیا یہ حقیقت پر مبنی ہیں؟ اپنی رائے کی مخالف رائے اور نقطہ نظر پر غور کریں تو آپ کے نظریات کمزور پڑنا شروع ہو جائیں گے۔ کسی بھی مفروضے یا اندازے کی وجہ بننے والے واقعات اور دلائل کی لسٹ بنائیں پھر ان تمام نکات کی حقیقت پر غور کریں ہو سکے تو کسی مخلص دوست یا ماہر نفسیات سے ان نظریات کو Discuss کریں۔ کسی بھی بات کو مختلف زاویوں سے پرکھیں۔ ایک رُخ سے دیکھنے کی بجائے کسی دوسرے زاویے سے دیکھیں۔ اگر آپ ہمیشہ کلاس میں دوسری پوزیشن حاصل کرتے ہیں تو یہ دیکھیں کہ آپ کی دوسری پوزیشن کی وجہ سے کسی ہم جماعت کی پہلی پوزیشن آجاتی ہے۔ جسے آپ کم سمجھتے ہیں اسے کوئی اور پا رہا ہے۔ بے شمار لوگ ناکام زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کو

ان کی ناکامیوں سے مفت میں سبق حاصل ہو رہا ہے۔ رات اور دن سورج کی دو حالتوں ہی کے نام ہیں۔ کسی بھی بات پر حتمی رائے دینے سے پہلے پرکھنے اور جانچنے کا عمل بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کا کوئی اندازہ غلط نکل آتا ہے تو اپنے خیالات تبدیل کرنے میں کیسی ہچکچاہٹ۔

کامیاب لوگ مفروضوں اور اندازوں کی مدد سے زندگی نہیں گزارتے بلکہ وہ عقل و دانش اور اچھے لوگوں کی رائے کی مدد سے بہترین اصول بنا لیتے ہیں بااصول انسان ہی اچھے کردار کا مالک ہوتا ہے۔ یاد رکھیں اندازے بدلے جا سکتے ہیں لیکن اصول اور قانون بدلنا ممکن نہیں بلکہ یہ تو ہمیں تبدیل کرنے کا کام کرتے ہیں۔

OO

بے لوث بانٹیے

کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے آپ کا جوش اور ولولہ (Motivation) برقرار رہ سکے؟ اور آپ اپنی منزل کی طرف رواں دواں چلتے جائیں۔ کامیابی کے راستے میں لاتعداد محرومیاں اور مایوسیاں آتی ہیں۔ اور راستے کی رکاوٹیں اور پریشانیاں آپ کو مایوس کردیتی ہیں۔ مایوسی آپ کے خواب چھین لیتی ہے۔ ناامیدی راستے کا سب سے بڑا ڈاکو ہے جو سالوں کی محنت کو منٹوں میں لوٹ لیتا ہے۔ اس دشمن سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی کامیابی کے سفر میں محروم اور مجبور لوگوں کو شامل کریں۔ جو خود محنت سے حاصل کررہے ہیں اس کا کچھ حصہ بغیر کسی غرض کے دوسروں میں تقسیم کریں۔ پھر آپ کے پاس محنت کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کا ایک واضح جواز موجود ہوگا۔ لوگ اس فرسودہ یقین کو ایمان کا حصہ بنا لیتے ہیں کہ "مال جمع کرنے سے انسان امیر ہوجاتا ہے"۔ حالانکہ حقیقت بالکل مختلف ہے اچھے اور فائدہ مند یقین کو کھلنے پھولنے دینا بھی عبادت کا حصہ ہے۔ آپ اس امر کا یقین کرلیں کہ "بانٹنے سے دولت بڑھتی ہے" کیونکہ جب آپ جمع کرتے ہیں تو وہ صرف آپ کے اپنے بنک میں جاتا ہے اور جب آپ تقسیم کرتے ہیں تو وہ مال اللہ کے بنک میں جاتا ہے جہاں کسی قسم کے خسارے کا اندیشہ نہیں ہے۔ ہر وہ چیز جو بانٹی جائے بڑھتی ہے لوگ عزت و محبت کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اس تقاضے سے پہلے آپ کو بے غرض ہو کر عزت و محبت بانٹنا

چاہیے۔ آسانیوں کی تلاش ضرور کریں لیکن ان آسانیوں میں دوسروں کو بھی شریک کریں اس طرح خدا تعالیٰ آپ کو ہمیشہ آسانیوں میں ہی رکھے گا۔

علم کسی کے باپ کی وراثت نہیں خدا چاہے تو جاہلوں کے درمیان ایک دانا بھیج سکتا ہے۔ دانائی احمق کی حماقت کو برداشت کرنے سے ملتی ہے۔ وہ جگہ جہاں پانی رک جائے گندہ جوہڑ بن جاتی ہے اور بہتا پانی ہمیشہ تازگی کا احساس بخشتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے انسان ہیں ایک وہ جو علم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو علم تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ جو انسان بچتے ہیں وہ انسان نہیں جانور ہیں۔ انسان علم حاصل کرتا رہے اور علم بانٹتا رہے تو صاحب علم کا درجہ پالیتا ہے ورنہ جاہل کہلاتا ہے جب آپ مطالعہ اس لیے کرتے ہیں کہ میں نے اس سے اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی بھلا دینا ہے تو علم خود آپ کی طرف کھنچا چلا آتا ہے علم بانٹنا بھی سخاوت کے زمرے میں آتا ہے۔

فضول خرچ کا مستقبل تاریک ہوتا ہے اور جو کنجوس ہوتا ہے اس کا مستقبل نہ تاریک ہوتا ہے نہ روشن بلکہ اس کا صرف حال ہی حال ہوتا ہے جو کہ بدحال ہوتا ہے۔ کنجوس انسان کی بدقسمتی دیکھئے کہ وہ کسی کے مال کی حفاظت میں مصروف ہوتا ہے اور وہ جمع شدہ مال اس کے اپنے کام بھی نہیں آتا۔ مال کی اتنی حفاظت کے بعد جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے گنے ہوئے مال کو اس کے نااہل وارث بغیر گنے اجاڑ دیتے ہیں۔ اگر آپ کا اپنا مال آپ کے اپنے کام نہیں آ رہا تو یہ مال آپ کی بدبختی کا ثبوت ہے۔ اس مال کو اپنے ہاتھوں سے تقسیم کیجئے۔ صاحب علم بھی اگر اپنا علم تقسیم نہیں کرتا اور علم کو اس کے اصل وارثوں (طالب علموں) تک نہیں پہنچاتا تو لگتا ہے وہ بے اولاد مر گیا۔ بے لوث تقسیم کر کے جو لطف ملتا ہے وہ کسی دوسرے کام میں کہاں۔ اس لیے فراخ دلی اور فیاضی جیسی اعلیٰ اقدار اپنائیے کیونکہ آپ کی کامیابی میں لاتعداد لوگوں کا حق بھی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو اپنی کامیابی کے اثاثہ جات میں حصہ دار بنا کر اس طرح آپ

ایک بابرکت منزل کے مسافر بن جائیں گے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

''سخی اللہ سے قریب، جنت سے قریب اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے بخیل اللہ سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے''

سخاوت مالکِ کل کائنات کی صفت ہے۔ سخی کے لیے یہ صفت اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔ شیطان کو سب سے زیادہ پیار بخیل مسلمان سے ہوتا ہے۔ اس لیے بخیل ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔ دوسروں کے مال کا طمع نہ کرنا بھی سخاوت ہے۔ کسی پر احسان بھی ایسے کریں کہ اس پر احسان ہونے کا احساس بھی پیدا نہ ہو۔ دوسروں پر احسان کرنے کے بعد شکریے کی امید اور تقاضا نہ کریں کیونکہ بدترین احسان وہ ہے جسے آپ اپنی زبان سے بیان کرتے ہوں اور بہترین احسان وہ ہے جسے دوسرا خود بخود بیان کرے۔ نیکی کا صلہ لوگوں سے طلب کرنا بھی حماقت ہے۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے وہ خود آپ کے احسان کا بہترین صلہ لوٹائے گا۔ اگر آپ اپنی کامیابیوں کو اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں تو وہ آپ کے پاس بھی نہیں رہیں گے۔ ایک استاد اگر دوسروں کے بچوں کا مستقبل نہیں سنوارے گا تو اس کے اپنے بچوں کا مستقبل بھی تاریک ہو جائے گا۔ ہم میں مذہب، قومیت اور نسل کا فرق تو موجود ہے لیکن ہم سب اللہ کا کنبہ ہیں ایک کنبہ ہونے کے ناطے ہر کوئی آپ کے احسان اور مہربانی کا حق دار ہے۔ اپنی کمائی کا کم از کم 10 فیصد حصہ دوسروں کو دیں۔ یہ کام دولت مند اور کامیاب ہونے کے بعد کا نہیں بلکہ یہ کام آج سے کرنا پڑے گا تا کہ دوسروں کی دعائیں آپ کی کامیابی اور خوشحالی کا ذریعہ بنیں۔

''سونا کان سے کان کنی کے وقت نکلتا ہے اور بخیل کے ہاتھ سے جان کنی کے وقت نکلتا ہے۔'' (شیخ سعدی)

کہتے ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں لیکن خدا ان کی مدد تو ضرور کرتا ہے جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ کا کسی کو دیا ہوا کسی کے بیج کی مانند ہے

آج آپ کسی کی مدد کر رہے ہیں کل وہی شخص اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر دوسروں کی مدد کرے گا اور آپ کی نیکی ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ہم سب اپنے والدین، اپنے اساتذہ اور اپنے محسنوں کے مقروض ہیں۔ ہمیں یہ قرض دوسروں پر احسان کر کے اتارنے ہیں۔ جو شخص اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے وہ خدا کا کیا شکر گزار ہوگا کیونکہ محسن کو خدا ہماری مدد کے لیے بھیجتا ہے۔ آپ جتنے مرضی مال دار اور کامیاب ہو جائیں، پھر بھی آپ نے تین وقت کھانا ہے۔ کوئی شخص گندم کی روٹی کی بجائے نوٹ نہیں نگل سکتا۔ کنالوں کے گھر کا مالک بھی رات سوتے وقت اتنی ہی جگہ گھیرتا ہے جتنی کٹیا میں سونے والا ایک مزدور۔ دنیا سے جاتے وقت سب نے چند گز کا کفن ساتھ لے جانا ہے۔ جس طرح رات کے بعد دن نے خود بخود آ جانا ہے اسی طرح آپ کی بے لوث خدمت کے بعد مالک نے آپ کو اپنی رحمت سے ضرور نوازنا ہے۔ دوسروں کو بے لوث دینا اللہ تعالیٰ سے شکر گزاری کی علامت بھی ہے۔

جتنا پیسے کو کمانا اور بچانا اہم ہے اتنا ہی اہم پیسے کو بانٹنا ہے۔ پیسے کو ہاتھ کی میل سمجھیں۔ یہ دوبارہ آ جائے گا لیکن کوئی ضرورت مند شاید دوبارہ آپ کے دروازے پر دستک نہ دے۔ پیسے کو مقصد بنانے کی بجائے اسے اپنے اچھے مقاصد میں استعمال کریں۔ لوگوں کو صرف کام کا معاوضہ دینے کی بجائے عزت دیں، خلوص دل سے پیار کریں، احترام کی نگاہ سے دیکھیں اور تعریف کا تحفہ پیش کریں۔ کیونکہ ہر کوئی آپ کے شکریے کا مستحق ہے۔ جسے امید کی دولت نہیں دے سکتے اسے کبھی ناامید نہ کرو کیونکہ ناامیدی غربت کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حساب صلاحیتوں اور دولتوں سے نوازا ہے یہ ہاتھ تب ہی قائم رہیں گے جب آپ بے لوث ہو کر انہیں اللہ کی مخلوق کی بہتری اور فائدے کے لیے استعمال کریں گے۔ یاد رکھیں وہ قلم اور زبان جو مالک کی مخلوق کی اصلاح کے لیے استعمال ہو وہ قلم اور زبان نہیں رہتی وہ تلوار بن کر 313 [illegible] ہے۔

پہلی ملاقات

بعض لوگ آپ کے ساتھ سالوں کی مسافت طے کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ آپ کو اپنے معلوم نہیں ہوتے آپ کے اور ان کے دلوں کے درمیان میلوں کا فاصلہ حائل ہوتا ہے۔ بعض اوقات کوئی اچانک اجنبی ملتا ہے اور چند لمحات کی ملاقات میں وہ ہمیں اپنا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس میں کیا راز ہے؟ ہر انسان اس شخص کی سنگت (Company) میں زیادہ لطف محسوس کرتا ہے جو اس کو بہتر طور پر جانتا ہو اور وہ اس شخص کی فطرت اور عادات سے خود بھی واقف ہو۔ کسی کے ساتھ پہلی ملاقات میں آپ کے متعلق جو تاثر بنتا ہے دوسرا شخص اسی تاثر کو لیے پھرتا ہے۔ ایک اچھا پہلا تاثر (First Impression) وہی ہے جس سے صحیح طور پر آپ کی ذات کی عکاسی ہو۔ جو آپ ہیں وہی آپ دوسرے کو محسوس کروائیں اور دوسرا بھی آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق جان لے تو آپ کا دیا گیا تاثر بالکل درست ہوتا ہے۔

حقیقت یہ کہ آپ کسی پر اچھا تاثر تب ہی مرتب کرتے ہیں جب آپ اپنی ذات سے مکمل طور پر آشنا ہوں، خود اعتمادی کا جذبہ آپ پر غالب ہو اور دوسرے کی فطرت (Nature) کو بھی سمجھ سکتے ہوں۔ یقیناً یہ کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ تھوڑے علم، بغیر کسی کوشش کے اور بے ساختگی کے ساتھ آپ کسی پر مثبت تاثر مرتب نہیں کر سکتے۔ کسی کو جب کسی پہلی بار ملیں تو یہ یاد رکھیں کہ لوگ آپ سے زیادہ اپنی ذات کو اہمیت دیتے

عادی ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن کی دلچسپیوں، عقائد و نظریات اور خیالات کا احترام کریں۔ پہلی ملاقات میں اپنی ذات کو بڑھا چڑھا کر بیان نہ کریں کیونکہ کہا جاتا ہے۔

"Have more than you show"

لوگ عموماً پہلی ملاقات میں دو طرح کے رویے اپناتے ہیں یا تو وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں اور واضح طور پر بات چیت کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ایسے لوگ خاموش نظر آتے ہیں یا آنکھیں چرائے پھرتے ہیں۔

دوسری طرح کے رویے کا انتخاب بہت زیادہ غلط ہے کیونکہ کچھ لوگ شوخ ہو کر اپنے آپ کو زیادہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب آپ اپنی ذات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں تو آپ ایک بڑی مصیبت گلے میں ڈال لیتے ہیں کیونکہ ملنے والا آپ سے ضرورت سے زیادہ توقعات وابستہ کر لیتا ہے جن پر آپ آگے چل کر پورا نہیں اترتے اور رسوا ہوتے ہیں۔ جھوٹ بولنے والے شخص کو اپنے پرانے بولے جانے والے جھوٹ یاد رکھنے کی زحمت کرنا پڑتی ہے۔

لوگ تسخیر ہو بھی سکتے ہیں
کاش چہرے پڑھا کرے کوئی

جب آپ کسی نئے شخص کو ملیں تو فوراً یہ سوچیے کہ اُس کی آنکھوں میں کیا خواب چھپے ہیں، آپ اُس کی کیا مدد کر سکتے ہیں اور اُس شخص کا کن باتوں میں Interest ہے۔ اس طرح آپ اُس کے دل میں جگہ پالیں گے۔ کہتے ہیں کسی ارب پتی نے ایک مصور کو دل کی خوبصورت تصویر بنانے کو کہا اور منہ مانگے پیسے دیے۔ مصور کئی دنوں کے بعد تصویر بنانے میں کامیاب ہوا اور اُس نے ارب پتی سیٹھ کو وہ تصویر پیش کر دی۔ سیٹھ صاحب نے جب وہ تصویر دیکھی تو انہیں بہت بھلی معلوم ہوئی لیکن ایک بات بڑی عجیب لگی کہ دل کا خوبصورت سا ایک دروازہ ہے، وہ دروازہ بند ہے اور اُس کے باہر کوئی ہینڈل بھی نہیں لگا۔ سیٹھ کے اعتراض کو سننے کے بعد مصور بڑے اطمینان سے بولا

"سیلز صاحب دل کا دروازہ ہر کسی کے لیے نہیں کھلتا اور اس دروازے کو آپ باہر سے نہیں کھول سکتے بلکہ اس کا ہینڈل اندر لگا ہوتا ہے اس لیے یہ اندر سے کھلتا ہے۔" اسی طرح جب آپ ایک اچھے تاثر کی فضا پیدا کرتے ہیں تو آپ سے ملنے والے کے دل کا دروازہ آپ کے لیے کھل جاتا ہے۔

ہر کسی کی پسند اور ناپسند مختلف ہے۔ کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی بات غور سے سنی جائے، کوئی چاہتا ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے اور کوئی آپ کی مسکراہٹ پر دل ہار جاتا ہے پھر بھی پہلے تاثر میں اگر آپ اس کے دل میں جگہ بنا لیں تو آپ ایک کامیاب انسان ہیں۔ واصف علی واصفؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "میں جس کو ایک بار ملا اس کی ذات کا حصہ بن گیا" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے رویے اور انداز ہیں جن کو اپنا کر آپ ایک اچھا تاثر قائم کر سکتے ہیں کیونکہ نئے ملنے والوں نے آپ کے ساتھ اتنا وقت نہیں گزارا ہوتا کہ وہ آپ کو پوری طرح جان سکیں۔ آپ ایک موثر تاثر قائم کرنے کے لیے درج ذیل اقدام پر عمل کریں۔

1۔ ہر رشتے ناطے کی بنیاد خلوص پر قائم ہوتی ہے۔ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔ اس بات کا یقین کر لیں کہ دوسرے کا بھلا کیے بغیر آپ کبھی فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس اصول کو Win-Win Rule کہتے ہیں۔ یعنی خود بھی جیتیں، دوسروں کو بھی جیتنے دیں۔

2۔ اپنی ذات کو جانیں۔ خود کو پہچانیں۔ اپنے رویوں، جذبات، انتخاب اور اپنی صلاحیتوں کے حوالے سے خود کو جانیں اس طرح آپ اپنی ذات کے حوالے سے ایک واضح تصور اپنے ذہن میں بنا لیں گے اور خود اعتمادی سے دوسرے کو اپنا تعارف پیش کر سکیں گے۔

3۔ اپنا ایک نام منتخب کریں جو آپ کی کسی خاص صفت کے ساتھ منسوب ہو مثلاً آپ دوسروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنا چاہتے ہیں اور خوش اخلاقی سے آپ کو دو

دل کی دولت سے نوازا ہے تو آپ اپنا نام "باوفا" رکھ سکتے ہیں۔ یہ نام آپ کی اپنی زبان سے ظاہر نہ ہو بلکہ آپ کے کردار اور عمل کا حصہ بنے۔ ہر ملنے والا آپ کے رویے سے متاثر ہو کر خود بخود آپ کو وفادار دوست سمجھے گا۔ مختلف صفات کے حوالے سے باہمت، بے لوث، ہمدرد، محب وطن اور رہبر و رہنما وغیرہ منتخب کیے جا سکتے ہیں۔

4۔ کسی سے کبھی بھی ملاقات ہو تو اللہ کے نبی کی سنت ضرور پوری کریں۔ i۔ السلام علیکم کہیں (تھوڑی سی بلند آواز میں) ii۔ ہاتھ ملائیں (پورا ہاتھ ملائیں اور گرم جوشی کا مظاہرہ کریں) iii۔ چہرے پر مسکراہٹ رکھیں (مسکراہٹ آنکھوں سے ظاہر ہوتی ہے اس لیے دوسروں کے ساتھ آنکھیں ضرور ملائیں) iv۔ گلے ملیں (کندھے نہ ملائیں بلکہ سینے سے سینہ ملائیں)

حدیث شریف میں ہے کہ "جب دو مسلمان ایک دوسرے پر سلامتی بھیجتے ہوئے ملتے ہیں تو اُن کے جدا ہونے سے پہلے خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر جنت کے انعام کا حکم فرما دیتا ہے۔"

5۔ ہمیشہ صاف ستھرا لباس پہنیں۔ اپنے جسم کو صاف ستھرا رکھیں۔ آپ کے افکار اور نظریات کا اندازہ آپ کی گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے لیکن اُس سے پہلے آپ جو کچھ نظر آ رہے ہیں وہ زیادہ اہم ہے۔ لوگ زبان اور کان کے استعمال سے پہلے آنکھ کا استعمال کرتے ہیں۔

6۔ اچھی عادات اپنائیں۔ وہ لوگ جن سے مل کر آپ بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں اُن کی شخصیت کا مطالعہ کریں آپ کو اُن میں بے شمار غیر معمولی عادات نظر آئیں گی۔ یہ لوگ دوسروں کا بہت خیال رکھتے ہیں، یعنی Caring ہوتے ہیں ان کو اپنا موقف واضح طور پر بیان کرنے کی عادت ہوتی ہے یہ کسی کی بات نہیں کاٹتے اور نہ ہی کسی کی تذلیل کرتے ہیں، ان کو کسی کی رائے سے اختلاف ہو تو بہت

خوبصورت انداز میں اختلافات کو بیان کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو "نہ" کہنا پڑے تو سننے والے کو برا محسوس نہیں ہوتا۔ متاثر کن شخصیات کی فہرست بنائیں پھر ایکی عادات واطوار منتخب کریں جو آپ اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

7۔ دوسروں کی غلطیاں تلاش نہ کریں اور اگر اپنی غلطیاں ظاہر ہوں تو فوراً معذرت کرلیں۔ معافی مانگنے والا بڑا بہادر ہوتا ہے اور معافی دینے والا اُس سے بھی بڑا بہادر ہوتا ہے۔

8۔ پہلا تاثر ایسا دیں کہ آپ اس تاثر کو ہمیشہ قائم رکھ سکیں۔ جو آپ نہیں ہیں کبھی بیان نہ کریں اور جو آپ ہیں کبھی مت چھپائیں۔

9۔ کبھی کسی کے پاس بھکاری بن کر مت جائیں۔ اگر آپ کچھ اغراض ومقاصد بھی رکھتے ہیں تو فوراً یہ سوچیے کہ آپ اس شخص کے کس کام آسکتے ہیں۔ اور کس شعبے میں اس کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس طرح آپ جذباتی اعتبار سے اعتماد محسوس کریں گے۔

10۔ کسی بھی اجنبی سے ملتے ہوئے یہ سوچیے کہ کیا پتا ہم نے دوبارہ ملنا ہے یا نہیں۔ اس لیے آج کی ملاقات کو ناقابل فراموش بنادیں۔ محبت اور احترام سے پیش آئیں۔ ہر شخص آپ کی محبت اور شکریے کا مستحق ہے۔

11۔ زبان میں شائستگی اور مٹھاس پیدا کریں۔ میٹھی زبان تو پتھر کو بھی پگھلا دیتی ہے۔

12۔ ہو سکے تو پہلی ملاقات میں ہی دوسرے شخص کی کوئی خوبی تلاش کریں اور اس کو ضرور بتائیں اس طرح وہ آپ کی قدر کرے گا اور آپ کو کبھی بھلا نہیں سکے گا۔

یاد رکھیں بعض معاملات کا ہمارے پاس صرف ایک موقع ہوتا ہے۔ پہلا تاثر (First Impression) بنانے کا بھی ایک ہی موقع آتا ہے اور اگر ہم یہ موقع گنوا دیں تو بعد میں ہم لاکھ افلاطون بنتے پھریں، لوگ ہمیں اچھا تصور نہیں کرتے۔

رول ماڈلز

ناکام انسان کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی سامنے آتی ہے کہ اس نے کسی کامیاب انسان کو نہیں دیکھا ہوتا کیونکہ بیدار انسان میں صفت پائی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کو بیدار کر دیتا ہے۔ اس کا قرب دانائی سے آشنائی کو ممکن بناتا ہے۔ کسی بھی صاحب کمال شخصیت سے متاثر ہو جانا فطری امر ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی کام کرنا تب بہت آسان ہو جاتا ہے جب ہم کسی کو وہ عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، متاثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذات کا ایسا اثر لینا کہ اس کی بات پر عمل کرنا آسان ہو جائے یا اس ذات جیسا ہونے کی تمنا دل میں اجاگر ہو جائے۔

تاریخ میں بے شمار ایسے بڑے لوگ آئے جو کسی باکمال ذات سے متاثر ہوئے اور اس کے بعد ان کی تقدیر بدل گئی۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ اگر مولانا رومؒ سے متاثر نہ ہوتے تو ان کی شاعری میں اس قدر معرفت انگیز فکر بھی نہ پائی جاتی اسی لیے اقبالؒ رومیؒ کو پیر مانتے ہیں۔

کسی باکمال شخصیت سے متاثر ہونے کے بعد اس کے خیالات اور کیفیات آپ کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں اور آپ اسی کے دیے ہوئے خیال سے طاقت پانے لگتے ہیں۔ نفسیات کا ایک اصول Law of attraction ہے اس کے مطابق ہم

فطرت لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ درحقیقت متاثر ہونے
والے کی اصل فطرت بیدار ہو جاتی ہے۔

ایک چھوٹا بچہ اپنے بچپن کے دنوں میں ہی ماحول سے اثر لیتا ہے اور فوجی بننے کا،
پائلٹ بننے کا اور کبھی کھلاڑی بننے کا خواب دیکھ لیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خواب ہی
آخر کار حقیقت بنا کرتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی یہ خواب دیکھ لے کہ اس نے تنومند،
سایہ دار اور گھنا درخت بننا ہے تو قطعاً بعید نہیں کہ مستقبل میں وہ ایک سایہ دار پیڑ کی مانند
دوسروں کے لیے نفع بخش ہو اس لیے ایک عظیم انسان سے متاثر ہونے کے بعد ایک
بہتر انسان ہونے کی تمنا اور خواب انسان کو نکھار دیتا ہے۔

ہر معاشرے و تہذیب اور تاریخ میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو رہتے تو دنیا پر
ہیں مگر دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہی
اس معاشرے و تہذیب اور تاریخ کے رول ماڈلز ہوتے ہیں۔ انھیں کے دم سے نئی
تاریخ رقم ہوتی ہے۔ جب تاریخ دان تاریخ لکھ رہا ہوتا ہے تو یہ لوگ تاریخ بنا رہے
ہوتے ہیں۔

آج بے شمار نوجوان یہ گلہ کرتے ہیں کہ ہمیں رول ماڈل نہیں ملتا۔ اس کی ایک وجہ
تو بے مقصد زندگی ہے۔ نوجوان یہ نہیں جانتا کہ اس زندگی کے بدلے میں وہ کیا حاصل
کرنا چاہتا ہے، وہ زندگی کو کس خواہش اور مقصد کے زیرِ تابع گزارنا چاہتا ہے۔ دوسری
بڑی وجہ وہ غلط سنگت ہے جو بہتری اور اچھائی کے راستے کو روکے ہوئے ہے۔

حضرت واصف علی واصفؒ فرماتے ہیں کہ ”اگر ہم سفر ہم خیال ہوں تو ساتھ منزل
تک جاتا ہے۔“ ایک طالب علم کا بہت بڑا اثاثہ وہ اچھے دوست ہیں جو زندگی میں کچھ
حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس حاصل سے دوسروں کی خدمت بھی کرنا چاہتے ہیں۔

تیسری بڑی وجہ میڈیا کی یلغار ہے۔ آج ٹی وی پر ہیرو بنا کر اس کو پیش کیا جاتا ہے جس
کی اپنی عاقبت خراب ہوتی ہے جو صرف سکرین پر کامیاب نظر آرہا ہے۔ عملی زندگی میں

وہ ناکام ترین فرد ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے جب وہ ایک فرد کو ایسے دیکھ رہا ہے جو کامیاب بنا کے پیش کیا جا رہا ہے تو وہ لاشعوری طور پر ویسا بننے کی تمنا اپنے دل میں پال لیتا ہے مگر سماج اس کو ویسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا اور وہ ''کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا'' کے مترادف ہو جاتا ہے۔

کسی باکمال شخصیت سے متاثر ہونے کے بعد اس کا خیال دل و دماغ پر چھا جانا بھی فطری ہے، رول ماڈل کو سوچ کر اپنے مقصد سے اور زیادہ عشق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ پہلے ہی مقصد پا چکا ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اپنی صلاحیتوں پر بھی یقین اور زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے جو کل کو کامیابی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

رول ماڈل کے ہوتے ہوئے انسان خود کو اس جیسا تصور کرنے لگتا ہے۔ اس لیے دیکھا گیا کہ میدان جنگ میں جب نعرہ حیدری لگایا جاتا ہے تو فوجی جوان خود کو اللہ کا شیر تصور کرتے ہوئے دشمن پر وار کرتا ہے۔ اس کا جوش و جذبہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔

دنیا میں تحریک پیدا کرنے والے لوگ ہمیشہ اپنے رول ماڈلز کو کاپی کر رہے ہوتے ہیں۔ بہتر عادت کو، اچھی بات کو، اچھے انداز کو اور اچھے طریقے کو کاپی کرنا یقیناً کارکردگی کو بہتر بناتا ہے۔

نفسیات کے ماہرین کی ریسرچ بتاتی ہے کہ سب سے زیادہ متاثر ہونے کی عمر بچپن اور جوانی کی ہوتی ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس عمر میں ہی نوجوان کو اصل رول ماڈلز سے متعارف ہونا چاہیے۔ اس کو خبر ہونی چاہیے کہ 17 سال کا نوجوان محمد بن قاسم کیسے جذبہ ایمانی کے ساتھ سندھ کو فتح کرتا ہے۔ اس کے علم میں ہونا چاہیے کہ ٹیپو سلطان شیر کی ایک دن کی زندگی کو گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر کیوں فوقیت دیتا ہے۔ اس کو یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ علیؓ کی بہادری کیا بہادری تھی اس کی کتاب میں عثمان غنیؓ کی سخاوت اور حضرت عمرؓ کے انصاف کا بیان بھی ہونا چاہیے، اسے صدیق اکبرؓ کی دوستی کا علم بھی ہونا چاہیے اور سب سے بڑھ کر اس کو اس کائنات کی سب سے باکمال اور

بہترین شخصیت جو ہر مسلمان کا رول ماڈل ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا علم بھی ہونا چاہیے جن کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہترین نمونہ قرار دیا۔

OO

خوش رہنے کا فن

کون خوش نہیں رہنا چاہتا۔ لیکن خوش رہنے کے فن سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے لوگ خوشیاں نہیں سمیٹ پاتے۔ خلیل جبران کہتا ہے کہ "ہر حال میں خوش رہا جا سکتا ہے اور اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے تو یقین کر لو کہ تم نے زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا ہے"۔ خوش رہنا پریشان رہنے سے زیادہ آسان ہے لیکن اس کو سیکھنے سے پہلے آپ کو ان وجوہات کا علم ہونا چاہیے جن کی وجہ سے لوگ عموماً ناخوش رہتے ہیں۔

1۔ انسان خوش نہیں رہ سکتا جب اسے وہ کچھ مل رہا ہو جو وہ چاہتا نہیں اور وہ کچھ نہ مل رہا ہو جو وہ چاہتا ہے۔

2۔ دوسروں میں دلچسپی نہ لینے والا خوش نہیں رہ سکتا۔

3۔ خوشی تمنا سے نہیں ملتی بلکہ یہ تو بانٹنے سے ملتی ہے۔

4۔ دوسروں سے زیادہ توقعات وابستہ کرنے والا خوش نہیں رہ سکتا۔

5۔ وہ خوش نہیں رہ سکتا جو کسی شرط (Condition) کی بنیاد پر خوش ہے مثلاً اگر مجھے فلاں چیز ملی تو میں خوش ہوں گا۔

6۔ وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت بڑا کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ کبھی خوش نہیں ہو سکتے کیونکہ چھوٹی باتیں چھوٹے دماغوں کو پریشان کرتی ہیں۔

7۔ ہر چیز اور ہر کام میں غلطیاں تلاش کرنے والا بھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔

8۔ وہ شخص کبھی خوش نہیں ہو سکتا جس کے رویے میں لچک نہ ہو۔

9۔ فارغ رہنے والا اور بے مقصد زندگی گزارنے والا اطمینان اور سکون نہیں پا سکتا۔

ان وجوہات پر غور کریں کہ آپ کس وجہ سے ناخوش ہیں۔ یہ یاد رکھیں کہ آپ کا خوش رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ لوگ اس انسان کو پسند کرتے ہیں جو خوش رہتا ہے۔ جب آپ خوش ہوں گے تو آپ دوسروں کے ساتھ مہربان اور ہمدرد ہوں گے۔ آپ کا رویہ مثبت ہوگا۔ آپ دوسروں میں خوشی تب ہی پھیلا سکتے ہیں جب آپ خود خوش ہوں۔

"دل کا مضبوط قلعہ بھی تلوار کی طاقت سے فتح نہیں ہوتا اس کے لیے بھی مسکراہٹ چاہیے۔"

آپ کے خوش رہنے سے آپ کا دوسروں پر (Impression) تاثر اچھا پڑے گا اور آپ کے روابط وسیع ہوں گے۔ آپ کی مسکراہٹ آپ کی صحت کو بہتر بنانے کا موجب بنتی ہے۔ خوش باش انسان پریشان انسان سے لمبی عمر پاتا ہے۔ خوش لوگ دل کے مریض نہیں بنتے کیونکہ خوش لوگ تو دوسروں کے دل جیتنے کے فن کو پا چکے ہوتے ہیں۔ آپؐ نے مسکراہٹ کو صدقہ قرار دیا ہے۔ خوش رہنے سے آپ کے دل کی کدورت و نفرت ختم ہو جاتی ہے۔

"اگر تم ہنستے ہو تو ساری دنیا تمہارے ساتھ ہنستی ہے لیکن اگر تم روتے ہو تو یہ کام تمھیں اکیلے ہی کرنا پڑے گا۔" (بیکن)

دنیا کے عظیم ترین لوگ برے سے برے حالات میں بھی چہرے پر مسکراہٹ رکھتے رہے۔ خوش رہنے والا اگر دکان کھول لے تو وہ دکان اس دکان سے زیادہ چلتی ہے جس کا دکاندار ہر وقت پریشانی چہرے پر سجائے بیٹھا رہتا ہے۔ آج کسی کو سب سے سستا اور نایاب تحفہ دینا ہو تو ایک پرخلوص مسکراہٹ دے دیجیے۔ مسکرانے کے لیے کوئی

وجہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ خوش نہیں ہیں تو یہ سوچئے کہ آج کا دن کسی انجان کے لیے شاید کتنی خوشیاں لے کر آیا ہوگا۔ اس نامعلوم کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لیے مسکرایا جاسکتا ہے۔ آپ کی مسکراہٹ محبت اور امید بانٹتی ہے۔ خوش رہنے کے آسان نسخے پیش خدمت ہیں۔

1۔ اپنے پسندیدہ کاموں (Favourite Activities) کی لسٹ بنائیں اور ان کاموں میں خود کو مصروف رکھیں۔ مصروفیت پریشانی کو ختم کردیتی ہے۔

2۔ دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی عادت اپنائیں۔ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ اس کو معاف کردے گا جو دوسروں کو معاف کردیتا ہے۔

3۔ دوسروں کا شکریہ ادا کریں اور ان کے احسان مند رہیں لیکن ان سے شکریے اور احسان مندی کی توقع لگانی چھوڑ دیں۔

4۔ ہمیں ہر چیز نہیں مل سکتی اور ہماری ہر خواہش بھی پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ دنیا کسی ایک کی ملکیت نہیں ہے۔

5۔ اکثر لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے پاس کیا کچھ ہے وہ رحمتوں کو شمار کرنے کی بجائے زحمتوں کو شمار کرتے ہیں۔ آپ خدا تعالیٰ کی مہربانیوں کو شمار کریں۔ زندگی میں جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ نظروں کے سامنے رکھیں اور محرومیوں کو بھول جائیں۔

6۔ اللہ تعالیٰ کا دل سے شکر ادا کیا کریں۔ اس کے شکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن صفات اور خوبیوں سے اس نے آپ کو نوازا ہے۔ وہ اس مالک کے رستے میں لگانے کے متعلق سوچئے۔

7۔ یاد رکھیں چیزیں اتنی بری بھی نہیں ہوتی جتنا ہم انہیں برا لگتے ہیں۔ کانٹے اور پھول ایک ہی پودے پر لگتے ہیں۔

8۔ دوسروں میں دلچسپی لیں۔ ان کے مشاغل کی تعریف کریں۔ دوسروں میں

خوشیاں بانٹیں۔اس طرح دوسرے آپ کی خوشی کا باعث بننے لگیں گے۔

9۔ زندگی کا مقصد ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔یہ دیکھیں کہ آپ کی پریشانی آپ کے مقصد حیات میں رکاوٹ بن رہی ہے اس لیے خوش رہنا شروع کر دیں۔

10۔ماضی کے غم اور پریشانیاں آپ کی یاداشت میں محفوظ ہیں ان کو بھلا دیں یہ ناخوشی کا سبب بنتی ہیں۔ان کی جگہ خوشگوار یادوں کو ذہن میں جگہ دیں۔

جن لوگوں کو ہم نے اپنی موت کا غم دے کر جانا ہے کیوں نہ ان کو زندگی میں کوئی خوشی دی جائے۔(حضرت واصف علی واصفؒ)

کوئی ایسا دوست جس کو آپ مسکراتا ہوا دیکھیں تو آپ کو بھی خوشی ہوتی ہے اس کو ہمیشہ اپنے تصور میں مسکراتا ہوا ہی دیکھیں اس طرح آپ کا چہرہ بھی کھل اٹھے گا۔

قرآن میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میری رحمت سے ناامید نہ ہونا'' پُرامید لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔آپ بھی اللہ کی رحمت اور فضل کی امید وابستہ کریں۔وہ آپ کو سکون واطمینان سے مالا مال کر دے گا۔آخری بات یہ کہ یاد رکھیں ہم لوگوں کا مقدر نہیں بدل سکتے ،ہم انھیں مال و دولت بھی نہیں دے سکتے اور نہ ہی ہم بیماروں کو صحت دے سکتے ہیں لیکن ان زندگی کے ماروں اور بے چاروں کو مسکرا کر مسکراہٹ ضرور دے سکتے ہیں۔چلیں سارے کام چھوڑیں اور تھوڑا سا مسکرا دیں۔شکریہ

OO

کتاب بہترین دوست

اس دنیا پر حکمرانوں سے زیادہ کتابوں نے حکومت کی ہے۔ انسان کی شخصیت کی صورت گری کرنے والے جہاں بے شمار عوامل ہیں وہیں ایک اہم ترین "مطالعہ کتب کی عادت" ہے۔ مطالعہ کھانے سے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے اکثر دیکھا گیا ہے کہ کتابوں کے مطالعے نے انسان کے مستقبل کو بنادیا۔ برناڈشا کہتا ہے۔

"جو شخص اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں رکھتا وہ معراج انسانی سے گرا ہوا ہے" کئی دانش ور اور صاحب علم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ "کپڑے چاہے پرانے پہنو لیکن کتاب ضرور خریدو اور اسے پڑھو" ہمیں عمل پر اکسانے والے کمانڈر ہمارے خیالات ہوتے ہیں جتنے اچھے اور قوت کے حامل خیالات ہونگے اتنا ہی ہمارا عمل جاندار ہوگا اور ہمیں بہترین نتیجہ دے گا۔ قوت کے حامل اور طاقت ور خیالات کا حصول بھی کتب بینی سے ہی ممکن ہے۔

مصنف کے وہ خیالات جو اسے زندہ جاوید بنادیں اس کی تمام تصانیف پر بھاری ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی عظیم شخص کی تحریر کو پڑھ کر آپ بھی کسی حد تک اس عظمت والی ہستی کی طرح سوچنے لگتے ہیں۔ اقبالؒ کی شاعری کو پڑھنے والا اقبالؒ کی طرح ہی خودی کا پرستار ہو جاتا ہے یہ فطری بات ہے۔

Leaders are readers

کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کی شخصیت میں مصنف اپنا حصہ ڈال چکا ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ جن مصنفوں کی تحریروں کو متاثر ہو کر پڑھتے ہیں انہی کی طرح سوچنے لگتے ہیں محسوس کرنے لگتے ہیں انہی کی طرح تخیل کو استعمال کرنے لگتے ہیں۔

ایک دانا کی دانائی بھری بات آپ کے لیے مشعل راہ ہو سکتی ہے۔ ایک اچھا مصنف بھی تحریر کو صفحات پر نہیں بلکہ اپنے پڑھنے والے کے دلوں پر لکھ رہا ہوتا ہے اس لیے اچھی کتاب کا مطالعہ بہت عرصے بعد تک آپ کی شخصیت کو چار چاند لگاتا رہتا ہے اور آپ کو کامیابی کی راہ پر گامزن رکھتا ہے۔ جس طرح اچھی کتاب اچھے نتائج فراہم کرتی ہے اسی طرح بری کتاب روح کو مار ڈالتی ہے۔

"دوستوں کی طرح کتابوں کا انتخاب بھی پوری احتیاط اور توجہ سے کرنا چاہیے"

کیونکہ ایک اچھی کتاب آپ کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ چند شخصیت ساز کتب:

1۔ کتاب مجید (قرآن پاک)

2۔ حدیث کی کتب

3۔ سیرت رسولؐ

4۔ صحابہ کرام کی حیات و تعلیمات

5۔ اولیاء کرام کی حیات و تعلیمات

6۔ اچھے مذہبی مفکرین کی کتب

7۔ واصف علی واصفؒ صاحب کی کتب

8۔ کامیاب لوگوں کی سوانح عمریاں

9۔ Self Help کی بکس

10۔ اقبالؒ رومیؒ رازی اور مسلم مفکرین کی کتب۔

کتاب سے فائدہ اٹھانے کے طریقے درج ذیل درست ہیں۔

1۔ کتاب منتخب کرنا بھی ایک فن ہے جو تجربے سے آتا ہے لیکن ایک بہتر طریقہ یہ

ہے کہ کتاب کے ابواب کی فہرست دیکھ لی جائے اور دوسرا جو پہلے ہی کتابوں کے مطالعے کا شوق رکھتا ہے اس سے انتخاب کے لیے مدد لی جائے۔

2۔ بعض کتابیں ساری کی ساری کام کی نہیں ہوتیں اس لیے مقصدِ مطالعہ کو سامنے رکھتے ہوئے اہم باتوں و اہم نکات اور ضروری سطور کو کسی Colored مارکر سے Underline کرلیں۔

3۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کتاب پڑھتے جائیں اور اس کے نوٹس بناتے جائیں۔

4۔ کتاب جتنی بھی پڑھیں اسے عملی زندگی میں استعمال بھی ضرور کریں۔

5۔ کسی بھی خیال کو یا بات کو ذہن نشین کرنا تب آسان ہو جاتا ہے جب کسی سے Discussion کرتا ہو اس لیے کتاب کے خیالات کو دوستوں سے Share کریں۔

OO

آسان اور مشکل کا تصور

ایک شخص کے لیے ایک کام بہت آسان ہے اور دوسرے کے لیے وہی کام بہت مشکل ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق جو انسان جس کام کو آسان سمجھتا ہے وہی اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آسان اور مشکل صرف آپ کی اپنی سوچ کا نام ہے۔

"آسان وہ ہے جس کو آپ آسان سمجھو" (حدیث شریف)

طالب علموں کو علم کا طالب ہی ہونا چاہیے لیکن بے شمار طالب علم یہ شکایت کرتے ہیں کہ پڑھائی بہت مشکل لگتی ہے۔ اس بیماری کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ بچوں نے اپنے ذہن میں پڑھائی کو مشکل تصور کیا ہوتا ہے۔ لوگ آگے بڑھنے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ناکام نہ ہو جائیں حالانکہ ناکامی آپ کو تجربہ دے جاتی ہے اور اس سے آپ خود اعتمادی حاصل کر لیتے ہیں۔

انسانی ذہن بہت طاقتور ہے۔ آپ کسی بھی کام کو صرف ایک بار شعوری طور پر مشکل قرار دے دیں آپ کا لاشعور اسکو مشکل سے مشکل تر بنا دے گا۔ پھر آپ کو فرار کے رستے دکھائے گا۔ آپ اس کام کو سوچتے ہی نروس ہو جائیں گے۔ اس کام کو کرنا تو دور کی بات تصور کرنا آپ کے لیے محال ہو جائے گا۔ اس کی بہترین مثالیں پڑھائی، نماز، ورزش، صبح اٹھنا اور دوسروں سے اچھے تعلقات بنانے کے حوالے سے ذہن میں

موجود تصورات ہیں۔ یہ سب کام ہمیں اس لیے مشکل لگتے ہیں کیونکہ ہم انہیں مشکل سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ان کو آسان تصور کرنا شروع کر دیں تو یہ کام چند دنوں میں ہی آسان ہو جائیں گے۔ بے شمار دفعہ ایک ادنیٰ سی بات انسان کے لیے بڑا مسئلہ بنی ہوتی ہے کیونکہ ہم نے اسے مشکل تصور کیا ہوتا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی میں ایک تجربہ کیا گیا جس میں برابر ذہانت والے طالب علموں کے دو گروپ بنائے گئے۔ ان کو ایک جیسے سوال حل کرنے کے لیے دیئے گئے لیکن ایک گروپ کو ٹیسٹ سے پہلے بتایا گیا کہ یہ تمام سوال بہت مشکل ہیں اور آج تک ان کو کوئی حل نہیں کر سکا۔ دوسرے گروپ کو کہا گیا کہ یہ انتہائی آسان سوال ہیں اور ایک چھوٹا بچہ بھی انہیں حل کر سکتا ہے۔ جب رزلٹ سامنے آئے تو حیران کن بات یہ تھی کہ جن طالب علموں کو یہ کہا گیا تھا کہ یہ بہت مشکل ہیں اُن میں سے اکثر انہیں حل نہ کر سکے جب کہ دوسرے گروپ کے طالب علموں میں اکثریت نے ان کو حل کر لیا کیونکہ ان کو کہا گیا تھا کہ یہ بہت آسان ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ کوئی کام آسان یا مشکل آپ کے اپنے تصورات کی وجہ سے ہے۔

جب ہم کسی کام کو مشکل کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں تو اس کام کے حوالے سے ہمارے ذہن کی حدود مختصر ہو جاتی ہے ورنہ اس دنیا پر تو ناممکن کو بھی ممکن بنا دیا گیا۔ کبھی کسی نے یہ کہا کہ ہم ہوا میں اُڑیں گے تو ساری دنیا نے کہا یہ ناممکن ہے اس شخص نے اس ناممکن کو آسان بنا دیا اور ہوا میں اُڑنے کے لیے ہوائی جہاز بنا دیا آج تک کی ساری ترقی انسان کے تجسس اور زندگی کو آسان بنانے کے تصور کی وجہ سے ممکن ہو پائی ہے۔

کامیابی کے اصولوں کے مطابق آسان کام کرنے سے زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی۔ اس لیے مشکل کو بدل دیں یا خود کو بدلیں۔ کامیابی کا سفر ہوتا ہی مشکل ہے چڑھائی کہاں آسان ہوتی ہے لیکن بلندی پانے کے لیے چڑھائی کو طے کرنا پڑتا ہے۔ منزل پہ پہنچ کر رستے کی ساری مشکلات ویسے ہی بھول جاتی ہیں جو راستہ مشکل بنا دیتی ہے۔

کہ آپ یا تو رستہ بدل لیں یا طریقہ کار میں تبدیلی کریں اس لیے یاد رکھیں اگر آپ مشکلات سے بچیں گے تو کامیابی سے بھی بچ جائیں گے۔ جنت میں جانے کے لیے مرنا تو پڑتا ہے۔

اگر آپ کے سامنے منزل تک پہنچنے کے دو راستے موجود ہیں جن میں سے ایک آسان ہے اور دوسرا مشکل تو یقیناً آپ آسان راستہ منتخب کریں گے۔ زبردستی خود کو تکلیف میں نہ ڈالیں لیکن اگر سب رستے ہی مشکل ہیں تو جس بھی رستے کا انتخاب کریں اس کو طے کرنے کا پکا فیصلہ کرلیں۔ جس قدر ممکن ہو اس کی صعوبتوں اور پریشانیوں کو گلے لگائیں واپس نہ مڑیں کیونکہ بڑے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے بڑے مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راستے کی رکاوٹوں اور مشکلات کو آسان کرنے کے قابل عمل حل بھی پیشِ خدمت ہیں:۔

1۔ کوئی بھی کام (پڑھائی وغیرہ) مشکل محسوس ہو تو وجہ جانیں کہ کیوں یہ کام آپ کے لیے مشکل ہے۔ وہ کون سے محرکات ہیں جو اس کام کو مشکل بنا رہے ہیں ان کو لکھ لیں اور پھر صرف ان کے حل پر توجہ مرکوز کر دیں۔ کوئی مضمون مشکل لگتا ہے تو عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس مضمون کا کوئی خاص حصہ یا باب مشکل ہوتا ہے باقی سب آسان ہی ہوتا ہے لیکن ہم اس پورے مضمون کو مشکل سمجھ لیتے ہیں۔

2۔ مشکل کام کو کرنے کا طریقہ کار بدل دیں۔ سبق بول کر یاد نہیں ہوتا تو لکھ کر یاد کریں۔

3۔ کسی مخلص دوست یا مسئلے کے حوالے سے جانکاری رکھنے والے کسی ماہر سے اپنے مسائل اور مشکلات کا تذکرہ کریں وہ آپ کو حل بتا دے گا۔

4۔ کسی پرسکون جگہ پر بیٹھ جائیں اور کاغذ پر اپنے مسائل کے حل لکھنے شروع کر دیں پہلے یہ نہ سوچیں کہ کون سا حل موثر ہے اور کون سا نہیں صرف لکھ دیں پھر بعد میں کے اور بہتر مشوروں کو استعمال میں لے آئیں۔ یہ کام آپ تب ہی کر سکتے ہیں

جب وقت کو منظم نہ کر سکیں کاغذ پر اپنے وقت کے بہتر استعمال کے حل لکھ کر فائدہ اٹھائیں۔

5۔ دس گہرے سانس لے کر خود کو Relax کریں اور تصور میں سوچیں کہ آپ کی مشکلات کا حل آپ کو آپ کا Role Model بتا رہا ہے ان کو بعد میں نوٹ کر لیں اور استعمال کریں۔

6۔ وہ کام جو مشکل محسوس ہو اسے بار بار دہرائیں کیونکہ کہا جاتا ہے کہ دہرائی مہارت کی ماں ہے۔

7۔ جو کام مشکل ہونے کے باوجود کرنا پڑے اُس کے کرنے سے کون کون سے فائدے آپ کو حاصل ہو سکتے ہیں ان کو کاغذ پر لکھ لیں اور دن رات دہرائیں۔ آپ ان کو اپنی آواز میں ٹیپ پر ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں لیکن ریکارڈنگ کے دوران اپنی آواز تھوڑی سی خوبصورت اور منفرد رکھیں پھر اسے بار بار سنیں مشکل کام آپ کو آسان لگنے لگیں گے۔

8۔ کسی بڑے کام کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے ترتیب دیں پھر سرانجام دیں کام بہت آسان معلوم ہوگا۔

9۔ مشکل کام کر کے خود کو انعام دیا کریں مثلاً آپ کوئی کام مکمل ہونے پر اچھے ریسٹورنٹ سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کا مشکل کام کرنے کو دل چاہنے لگے گا۔

10۔ مشکل کام کو کرنے سے پہلے آنکھیں بند کر کے دو یا تین بار تصور میں خود کو یہی کام کرتا ہوا دیکھیں اس طرح کام آسان ہو جائے گا۔

11۔ ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لیا کریں۔ بسم اللہ پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اس کام میں آپ کی کامیابی کے لیے ضرور مدد کرے گا۔

OO

کامیابی عطا کرنے والے الفاظ

برصغیر کی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تحریک پاکستان ایک جذبہ اور جنون کی داستان ہے۔ اس جذبے کو پیدا کرنے میں ہمارے قومی ہیروز اور لیڈرز کا بہت بڑا ہاتھ ہے لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کہ وہ فقرے اور نعرے جو ہمارے لیڈرز بولتے رہے انھوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ "لے کے رہیں گے پاکستان بن کے رہے گا پاکستان" کا نعرہ برصغیر کے مسلمانوں کے خون میں حدت پیدا کر دیتا تھا۔ جب چوہدری رحمت علی نے Now or Never کا تصور دیا تو ہر مسلمان یہ تقاضا کرنے لگا کہ پاکستان یا تو اب چاہیے یا کبھی نہیں۔ انہی لفظوں نے نہ صرف مسلمانوں کے خون میں حرکت پیدا کی بلکہ انہیں عظیم قربانیاں دینے پر بھی اکسایا۔ وہ لوگ انہیں نعروں اور جذبوں کے زیر اثر اپنا گھر بار اور سب کچھ لٹا کر پاکستان چلے آئے۔

بولے جانے اور سنے جانے والے الفاظ انسان کی زندگی کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ الفاظ احساسات، جذبات، جسم، دل و دماغ، عمل حتیٰ کہ روح کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ الفاظ اتنی طاقت کے حامل ہوتے ہیں کہ مقررین اور لیڈرز لفظوں کے استعمال سے لوگوں کو تحریک دیتے ہیں۔ لوگ اسلام کے لیے جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ غلط عزائم والے مقرر لفظوں کو قتل و غارت اور تخریب کاری کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم اپنی زبان سے بولے جانے والے الفاظ کو لاشعوری طور پر منتخب

کرتے ہیں۔اس لیے زندگی میں نتائج ہماری مرضی کے نہیں ہوتے۔ ہم زیادہ تر وہی الفاظ بولتے ہیں جو ہم اپنے اردگرد کے ماحول سے سنتے ہیں۔اس لیے ہمارے جذبات واحساسات بھی عموماً وہی ہوتے ہیں جو ہمارے دوستوں اور ساتھیوں کے ہوتے ہیں۔غیر معمولی کامیابی کے لیے غیر معمولی جذبہ اور احساس چاہیے اور غیر معمولی جذبے اور احساس کے لیے زبردست اور تحریک آفریں الفاظ کے استعمال کی ضرورت ہے۔

میدانِ جنگ میں کوئی مجاہد بغیر ہتھیار کے نظر نہیں آتا کیونکہ ہتھیار کی مدد سے وہ دشمن کو پسپا کرتا ہے اور خود کو بھی بچاتا ہے۔زندگی کی جنگ میں الفاظ ہتھیار سے کم نہیں اور ان کی طاقت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔فقط بولے جانے والے الفاظ کی تبدیلی سے ہم احساس کو بدل سکتے ہیں۔احساس کو بدل کر سوچنے کے انداز کو بدلا جاسکتا ہے سوچنے کا انداز رویے کو بدل دیتا ہے اور رویہ آپ کی زندگی کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ انسان زندگی کے مختلف تجربات الفاظ کی مدد سے بیان کرتا ہے۔یعنی اظہار کا ذریعہ الفاظ ہیں۔آپ ذریعے (الفاظ) کو شعوری طور پر بدلیں آپ حیران کن نتائج کو حاصل کریں گے مثلاً آپ کو کسی نے بہت بُرا بھلا کہا ہے اور آپ کو غصہ آرہا ہے تو یہ کہنے کی بجائے کہ مجھے غصہ آرہا ہے۔یہ کہیں کہ "مجھے بہتر محسوس نہیں ہورہا" یا "مجھے تھوڑا سا غصہ آرہا ہے" تو آپ کے جذبات بدل جائیں گے اور آپ شدید اذیت کا شکار نہیں ہوں گے۔

کامیاب لوگ الفاظ کو بہتر طریقے سے استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ منتخب الفاظ کا استعمال ہی بامقصد نتائج کو جنم دے سکتا ہے۔ غیر ضروری احساسات آپ کے سفر میں رکاوٹیں پیدا کرسکتے ہیں اس لیے ان کے متعلق الفاظ کو استعمال کرنے سے گریز کیا جائے۔نفرت اور مایوسی کے اظہار کے لیے لوگ بہت خطرناک الفاظ استعمال کرتے ہیں۔جو ان کی زندگی کو تباہ کرکے رکھ دیتے ہیں۔

ان الفاظ کو بہتر الفاظ سے بدلا جا سکتا ہے۔ ''میں بہت پریشان ہوں''۔ ''میں تھوڑا سا پریشان ہوں''۔ ''میں خوش نہیں ہوں'' یہ تینوں فقرے بظاہر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں لیکن تینوں الگ الگ جذبات کو پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے منفی کیفیت کے وقت زبان سے بولے جانے والے الفاظ کو شعوری طور پر منتخب کریں۔

''جو اپنی مصیبت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے خدا اس کی مشکل کو دور نہیں کرتا'' (حدیث شریف)

ہمارے ملک کے لوگ بہت جذباتی ہیں۔ چھوٹی سی گالی پر قتل و غارت کی نوبت آجاتی ہے۔ یہ بھی الفاظ کے ساتھ جڑے احساس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی غصے میں آپ کو کسی جانور کا بچہ کہتا ہے تو عموماً 99% لوگوں کو شدید غصہ آ جائے گا۔ لیکن اس واقعہ کو اگر حقیقت کی بنیاد پر پرکھیں تو آپ تو انسان کے بچے ہیں کسی جانور کے بچے نہیں۔ آپ کو تو اس شخص کی عقل پر شک کرنا چاہیے لیکن گالی سنتے ہی لوگ الفاظ کو برے احساس میں بدلتے ہیں اور برا احساس انہیں ایک برے رویے تک لے جاتا ہے جو شاید کسی جانور کے بچے کے پاس بھی نہیں ہوتا۔

جب آپ کہتے ہیں کہ آپ پریشان ہیں تو نفسیاتی طور پر پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ پریشانی حل کرنے کی طاقت آپ میں ختم ہو جاتی ہے اور مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ دنیا کے زیادہ تر لوگ پریشانی پر توجہ کرتے ہیں۔ بہت کم لوگ پریشان ہوئے بغیر حل پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتے ہیں اور آخر کار حل پا لیتے ہیں۔ کیونکہ جو نہیں بدل سکتا اس کے متعلق کیا سوچنا تو کیوں نہ اس کو سوچیں جو بدل سکتا ہے۔ اس لیے پریشانی کے الفاظ کو بدل دیں یہ کنٹرول کھو دینے کے مترادف ہے۔ پریشانی میں جذبات کو بیان کرنے کے لیے کہیں کہ ''یہ چیلنج یا آزمائش مجھے قبول کرتا ہے''۔ یا یہ کہیں کہ ''اس مسئلے کا حل مجھے لازماً چاہیے اس لیے میں تھوڑا سا پریشان ہوں''۔

زندگی میں منفی جذبات کے حوالے سے بولے جانے والے الفاظ اپنے ذہن کی

Dictionary سے نکال دیں۔ عمل پر راغب کرنے والے اور ہمت بڑھانے والے الفاظ استعمال کریں۔ یہ بتانے کی بجائے کہ مجھے کیا اچھا نہیں لگتا یہ بتائیں کہ مجھے کیا اچھا لگتا ہے۔

''لفظوں کی قوت سے آگاہ ہوئے بغیر انسانوں کے جذبات کو سمجھنا ناممکن ہے۔'' (کنفیوشس)

اپنے تجربات کو خوبصورت الفاظ سے سجائیں۔ آپ کی زندگی بدل جائے گی۔ جب کوئی حال پوچھے تو یہ کہنے کی بجائے کہ ''میں ٹھیک ہوں'' یہ کہیں کہ ''میں بہت بہتر ہوں'' یا میں بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں۔ انگریزی میں "Great" یا Fantastic بھی کہا جا سکتا ہے۔ کوئی کسی بہتر تجربے کے متعلق پوچھے تو صرف بہتر نہ کہیں بلکہ کہیں کہ ''یہ بہت خوب تھا'' یا ''یہ بہت اعلیٰ تھا'' ہمت کو کم کرنے والے اور بے کار جذبوں سے منسلک الفاظ کو زندگی سے نکالیں۔ یہ آپ کی شخصیت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ بُرے جذبات کی شدت کو الفاظ کے مناسب استعمال سے کم کریں اور اچھے جذبات کی شدت کو الفاظ کی قوت سے بڑھا دیں۔ اس سے آپ میں خود اعتمادی پیدا ہوگی۔

دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کی زندگی میں خوبصورت لفظوں کا اثاثہ کم ہوتا ہے۔ وہ گفتگو سے پہلے ہی اپنے جذبات کو عمل میں بدلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو نقصان اور اذیت پہنچانے میں دیر نہیں لگاتے۔ انھیں مجرم بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے اپنی یادداشت میں خوبصورتی، بہادری، جواں مردی اور ہمت پیدا کرنے والے الفاظ کا ذخیرہ کریں کیونکہ ان الفاظ کی ادائیگی آپ کو زبردست جذبات سے آشنا کروا کر آپ کی تقدیر بدل دے گی۔ دوسروں کو اچھے الفاظ سے پکاریں۔ میں اپنے ادارے میں کام کرنے والے تمام افراد کو جناب، محترم، اور سر کے القاب سے بلاتا ہوں کیونکہ جو لفظ آپ دوسروں کی نظر کرتے ہیں وہی آپ کے لیے بولے جاتے ہیں۔ عزت کا جواب عزت سے اور ذلت کا ذلت۔

اپنے Peon کو بھی صاحب کے لفظ سے بلائیں وہ بھی آپ کو "صاحب" کے درجے پر دل و جان سے فائز سمجھے گا۔

ہمارا ذہن ہر اس شے سے محبت کرتا ہے جو ہمیں اذیت سے نکالتی ہے اور مسرت عطا کرتی ہے۔ آپ اُن الفاظ سے محبت کریں جو آپ کو مسرت اور خوشی دیں اور اذیت سے نکالیں آپ کی زندگی باکمال ہو جائے گی۔ آج ہی اپنے دس منفی احساس میں بولے جانے والے الفاظ تلاش کریں اور ان کی جگہ مثبت اور جوش دلانے والے الفاظ رکھ دیں۔ اس سے آپ اپنی زندگی کو کامیاب ترین بنانے کے راستے پر گامزن ہو جائیں گے۔

OO

صلاحیت خدا تعالیٰ کا بہترین تحفہ

اُس کا چہرہ پریشان اور آنکھیں نم تھیں۔ جذبات کے اظہار میں زبان بھی اُس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بے چینی بڑھتی تو وہ اپنی انگلیوں کے ناخن چبانے لگتا مجھے بار بار یہ سوال کرنا پڑ رہا تھا کہ "بیٹا کیا بات ہے مجھے کچھ بتاؤ گے نہیں"؟ آخر میں اپنی کرسی سے اُٹھا اور اُس کے ساتھ جا بیٹھا۔ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بہت پیار سے اُس کے کان میں کہا کہ "بیٹا میں آپ کا اُستاد بھی ہوں اور بڑا بھائی بھی۔ آپ کھل کر مجھ سے بات کرو تاکہ آپ کی پریشانی کی وجہ معلوم ہو سکے"۔ وہ بولنے لگا "سر مجھے سب نالائق سمجھتے ہیں امی ابو اور تمام ٹیچرز مجھے نا اہل اور کام چور کہتے ہیں۔ ان باتوں کو سننے کے بعد میرا پڑھائی میں دل نہیں لگتا سر میں کیا کروں؟ آپ ہی بتائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے کوئی صلاحیت نہیں دی"؟ اُس کے درد کو محسوس کرتے ہوئے میں نے میز پر پڑے ٹشو پیپر سے اُس کو آنسو صاف کرنے کو کہا اور بولا "بیٹا ہم یہ تو جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کیا کچھ بن سکتے ہیں دراصل اللہ تعالیٰ نے ہمیں ضرور کچھ ایسی صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے جو ہماری کامیابی و کامرانی میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں لیکن ہمیں اُن کا اندازا نہیں ہوتا۔ کوئی بولے تو دلوں کے قفل کھل جاتے ہیں، کسی کی آواز کانوں میں رس گھول دیتی ہے، کسی کی تحریر زندگی بدل سکتی ہے کوئی غزل کہتا ہے اور کوئی اُس غزل کو پڑھ کر قرار پاتا ہے۔ کسی کے جذبے نے اُس کو بلند ترین چوٹی

ماؤنٹ ایورسٹ تک پہنچا دیا۔ کوئی لیڈر بن کر پوری قوم کو (Lead) کرنے لگتا ہے۔
کوئی اپنے ہاتھ میں پکڑے برش کو رنگوں میں ڈبو کر شاہکار بنا دیتا ہے کوئی مٹی کو سونے
میں بدلنا جانتا ہے اور کوئی غور و فکر کے بعد حکمت و دانش کے موتی بکھیرنے لگتا ہے۔
نوجوان پُر تجسس لہجے میں بولا ''مگر سر یہ تو آپ عظیم لوگوں کی داستان سنانے لگے ہیں
ہم تو عام انسان ہیں ہم کیا کریں''؟ میں نے تعریف والے انداز میں اُس کا کندھا
تھپتھپایا اور کہا ''شاباش بیٹا آپ کا سوال بہت شاندار ہے، اس دنیا میں عام انسانوں
کی بھی دو اقسام ہیں ایک وہ جو اپنی قابلیت اور صلاحیت کو جان جاتے ہیں اور دوسرے
وہ جو اپنی حقیقی صلاحیتوں کا کم اندازہ لگاتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ ناکامیوں پر مایوس
ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ اول تو کامیاب نہیں ہوتے اور اگر ہو جائیں تو اپنی
کامیابی پر بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں اور کامیابی کو سنبھال نہیں پاتے۔ اپنی صلاحیت
کا علم نہ ہونا کوئی جرم نہیں کیونکہ صلاحیت کا پتا لگایا جا سکتا ہے، صلاحیت کی شناخت ممکن
ہے اور صلاحیتیں عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ اپنی حدود کو جاننے لگتی ہیں لیکن
صلاحیت کا علم ہونے کے باوجود اس کو استعمال میں نہ لانا بہت بڑا جرم ہے اس کی
آنکھوں کی نمی روشنی اور چمک میں بدل چکی تھی اُس نے ایک اور سوال کیا ''کیا ایک
شخص دوسرے شخص میں کوئی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے''؟ میں چند لمحات کے لیے خاموش
ہو گیا تا کہ اُس کے سوال میں موجود طلب میں مزید شدت آ جائے اور بولا ''ہر شخص کو
اپنے حصے کی صلاحیتیں ماں کے پیٹ سے لانا پڑتی ہیں یہ ورثے میں نہیں ملتیں یہ
حسب نسب اور علاقے پر بھی انحصار نہیں کرتیں اس لیے کوئی گرو، استاد، مرشد اور رہبر
آپ میں کوئی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا ہاں آپ کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت کو ابھار
اور نکھار سکتا ہے بعض اوقات سخت محنت کے بعد آپ کی صلاحیت منظر عام پر آتی ہے۔
پوشیدہ صلاحیت کسی کام کی نہیں، کوئی صلاحیت آپ کو اور دوسروں کو فائدہ دینے لگے تو وہ
آپ کی شہرت کا باعث بن جاتی ہے۔ کوئی آپ کو صلاحیت دے بھی نہیں سکتا اور چھین

بھی نہیں سکتا۔ اکثر حالات اور مشکلات آپ کی صلاحیتوں کو چھپا دیتے ہیں لیکن یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سخت حالات نے صلاحیت کو نکھرنے میں مزید ہوا دی۔ پتھروں اور ریت کے نیچے صلاحیت کے ہیرے چھپے ہوتے ہیں اور حالات کی سختی سے جو آنسو پیدا ہوتے ہیں وہ اُن پتھروں اور ریت کو بہا لے جاتے ہیں اور صلاحیت کے ہیرے ہاتھ آ جاتے ہیں۔ کیونکہ متجسس اور باغی انسان بپھرے دریا کی مانند اپنا رستہ خود بنا لیتا ہے۔''

سر آخری سوال ''ہمیں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کا کیسے پتا چلے گا''؟ ''یہ کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ اس کا بندوبست بھی اللہ تعالیٰ نے خود کر رکھا ہے۔ جس نے دنیا پر نظارے بنائے اُس نے خود ہی دنیا والوں کو ان نظاروں کو دیکھنے کے لیے نظر بھی عطا کی۔ پھول کے پاس ہی بھنورا ملتا ہے شہد اور مکھیاں اکٹھی پائی جاتی ہیں اسی طرح آپ کے کارناموں کی لسٹ میں کوئی کارنامہ ایسا ضرور ہوگا جس کی آپ بارہا تعریف وصول کر چکے ہوں گے وہ الگ بات ہے کہ ہم پر تنقید کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور تعریف کا کم لیکن تعریف آخر انسانوں میں موجود صلاحیتوں کی ہی تو ہوتی ہے۔ دنیا کے بازو باصلاحیت لوگوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ اس لیے اپنے اُن کاموں کے نکھار پر توجہ مرکوز کر لیجیے جن کی وجہ سے آپ داد وصول کرتے رہتے ہیں اُن صلاحیتوں کو خدا تعالیٰ کا تحفہ سمجھیے جو آپ کو مضطرب اور بے چین رکھتی ہیں کیونکہ آپ کی صلاحیت کا درخت جب بھی توانا ہوگا اُس کا پھل آپ کی جھولی میں آ کر ضرور گرے گا'' اب بھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس سے پہلے کہ میں اُس سے آنسوؤں کے متعلق پوچھتا وہ خود بولا سر یہ آنسو آپ کے شکریے کے لیے آنکھوں کے دریچے سے باہر جھانکنا چاہ رہے تھے۔

OO

اپنے لیے وقت نکالیے

محنت کرنے والے لوگ دیر یا بدیر کامیابی سے ہمکنار ضرور ہوتے ہیں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کے پاس سب چیزوں کی فراوانی ہوتی ہے لیکن اپنے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہو چکا ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کی ساری کامیابیاں، ناموری، دولت، عزت، تعلقات اور کاروبار وغیرہ آپ کے اپنے دم سے ہیں اگر آپ خود کو وقت نہیں دے پارہے تو آپ کی محنت اور کامیابی کسی کام کی نہیں۔ محنتی لوگ پورا دن محنت کرنے کے باوجود رات سونے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ کاش دن لمبا ہوتا اور ہم مزید کام مکمل کر لیتے لیکن یاد رکھیں کہ کام کبھی ختم نہیں ہوتے آپ کی بھرپور کوشش کے باوجود بھی اُدھورا پن رہ جانا فطری عمل ہے۔ آپ ایک انسان ہو خدا نہیں ہو۔ نامکمل ہونا ہی آپ کے لیے فخر کا باعث ہے اور مکمل ہونا صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے۔ وقت کبھی نہیں رکتا یہ بہتے دریا کی مانند ہے یہ بچتا نہیں بچانا پڑتا ہے۔ سخت محنت کی وجہ سے کام میں اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے یہ بھی فطری عمل ہے۔ اگر آپ اسی طرح خود کو ہانکتے رہے تو بہت جلد آپ کی صلاحیتیں ماند پڑ جائیں گی اور آپ بیمار ہو جائیں گے۔

خود کے لیے وقت نکالیے اور کسی اچھی جگہ پر تفریح کا پروگرام بنائیے اگر کہیں دور نہیں جا سکتے تو کسی خوبصورت پارک میں واک کے لیے چلے جائیں، سبزہ دیکھیں، پھولوں کی خوشبو کو سونگھیں اور پرندوں کی آوازوں کو سنیں۔ ہم عجیب لوگ ہیں دفتر اور

کاروبار کی ٹینشن گھر لے کر جاتے ہیں اور بیوی بچوں کو منتقل کر دیتے ہیں اسی طرح گھر کی پریشانیاں دفتر اور کاروبار پر لے جاتے ہیں اور ادھر بھی درد بانٹتے رہتے ہیں۔ ایک زبردست اور قابلِ عمل اصول اپنائیں کہ دفتر اور کاروبار کا دروازہ بند کر کے گھر داخل ہوں۔ گھر میں آپ بزنس مین اور باس نہیں ہیں بلکہ آپ بچوں کے پاپا اور انہی بچوں کی ماما کے Husband ہیں۔ یہ وقت ان کا ہے ان سے باتیں کریں گپیں لگائیں کیونکہ اس سے بچوں کی نفسیات پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ گھر کی خوشیاں ہی آپ کے رویے کو خوشگوار بنائیں گی اور آپ اگلے دن زیادہ توانائی اور جذبے سے کام کر سکیں گے۔

اپنے ہم خیال اور ہمدرد دوست تلاش کریں ان کے ساتھ اپنا فارغ وقت گزاریں اور کسی اچھے موضوع پر گفتگو کریں۔ ان کی رائے لیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔

ہم خیال اگر ہم سفر ہوں تو ساتھ منزل تک پہنچ جاتا ہے

(حضرت واصف علی واصفؒ)

ہر انسان کے اندر ایک بچے کا کردار چھپا ہوا ہوتا ہے اپنے اس کردار کو کبھی نہ مرنے دیں۔ بچوں کے ساتھ بچہ بن جائیں۔ اپنی ڈگریوں اور عہدوں کے بوجھ سر سے اتار کر گھر میں داخل ہوں۔ گھر سکون کی آماجگاہ ہوتا ہے اگر اپنا گھر سکون کا باعث نہ ہو تو یہ عذاب ہے۔ امن و سکون آسمان سے نہیں اترتا یہ پیدا کرنا پڑتا ہے ماحول کو خود خوشگوار بنانا پڑتا ہے۔ محبت اور عزت مانگنے سے نہیں ملتی بلکہ یہ تو دوسروں کو دینے سے ملتی ہے۔

انسان اپنا ہر لمحہ فکر اور پریشانی میں ضائع کر دیتا ہے کبھی ماضی کی تلخ یادیں اور پچھتاوے اور کبھی مستقبل کے اندیشے۔ ماضی تو ماضی تھا سو گزر گیا اور مستقبل جب آئے تو دیکھا جائے گا۔ کسی دن کو یہ فیصلہ کر کے گزاریں کہ آج ہر طرح کے اندیشے، پچھتاوے اور تلخ یادوں کو ذہن میں نہیں آنے دینا آج میں نے آزادی سے جینا ہے۔ کیونکہ میرا جسم آزاد تھا مگر میری سوچ جکڑی ہوئی تھی۔ آج میں اپنی سوچ کو آزادی دیتا

ہوں۔ اس دنیا کی خوبصورتی پر غور کیجئے۔ ہم خامیاں تلاش کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ مکھی کی طرح ہمیں صرف گندہی تلاش کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ ایک بھنورا بنئے اور پھول کی تلاش کیجئے۔

اکثر لوگ پورا ہفتہ چھٹی کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ چھٹی آئے گی تو بہت Enjoy کریں گے چھٹی آتی ہے اس دن ہماری صبح دیر سے ہوتی ہے، دوپہر اچانک گزر جاتی ہے اور شام اس لیے اداس ہو جاتی ہے کہ اگلے دن پھر وہی محنت۔ آئندہ چھٹی سے ایک دو دن پہلے اپنی فیملی یا دوستوں کے ساتھ مل کر کے چھٹی کو یادگار اور خوبصورت بنانے کی پلاننگ کریں۔ پھر اس کے مطابق چھٹی گزاریں آپ اداسیوں سے نجات پالیں گے۔ کبھی کبھی من پسند کھانا پکوائیں اور لطف لے کر کھائیں۔

کام کی بوریت سے نجات پانے کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے کام سے محبت پیدا کریں۔ محبت کی وجوہات تلاش کریں۔ مجھے ایک تعلیمی ادارہ چلانا ہوتا ہے یہ کافی حوصلے اور ہمت کا کام ہے لیکن میں 14-12 گھنٹے میں بھی نہیں تھکتا کیونکہ اس کام سے مجھے محبت ہو گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام مجھے سیکھنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ نئے نئے تجربات سے واسطہ پڑتا ہے اور آپ دوسروں کی کامیابی میں ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ جو وقت آج ہے وہ کل نہیں رہنا جو ساتھی آج آپ کے ساتھ ہیں شاید کل ساتھ نہ ہوں۔ یہ زندگی ویسے ہی مالک کی طرف سے ایک انعام اور تحفہ ہے چلیں آئیں کچھ وقت سب سے قیمتی اور اہم شخص کے لیے نکالیں کیونکہ اسی کی وجہ سے محفل میں رونق ہے۔ وہ قیمتی اور اہم شخصیت کوئی اور نہیں آپ خود ہیں۔

OO

نیکی کر دریا میں ڈال

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سابقہ زمانے میں تین شخص سفر پر گئے۔ جب رات ہو گئی تو ایک غار میں سونے کو چلے گئے تاکہ بے فکری سے رات گزاریں۔ رات میں ایک بڑا پتھر پہاڑ سے گرا اور اس سے غار کا دروازہ بند ہو گیا اور ایسا بند ہوا کہ باہر نکلنے کا راستہ نہ رہا۔ اس پتھر کا ہلانا بھی ممکن نہ رہا تھا۔ جب ان تینوں نے آپس میں کہا کہ اس پتھر کے ہٹانے کی بس یہی تدبیر ہے کہ ہم بارگاہ الٰہی میں دعا کریں اور ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی نیکی کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرے۔ ممکن ہے کہ اس نیکی کے وسیلے سے خداوند ذوالجلال ہماری مشکل کو آسان کر دے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ باری تعالیٰ تجھ پر روشن ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو کھانا نہیں دیتا تھا۔ جب میرے ماں باپ کھانا کھا لیتے تھے تب میرے زن و فرزند کھاتے تھے۔ ایک روز میں کسی کام سے گیا تھا۔ بہت رات گئے واپس آیا تو میرے ماں باپ سو چکے تھے۔ میں ان کے لیے ایک پیالہ دودھ کا لایا تھا۔ میں ان کے جاگنے کے انتظار میں رہا اور وہ دودھ کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میرے بچے بھوک سے رو رہے تھے لیکن میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب تک میرے ماں باپ دودھ نہیں پی لیتے میں تم کو کھانا نہیں دوں گا اور میرے ماں باپ صبح تک بیدار

نہ ہوئے۔ میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے اسی طرح کھڑا رہا حالانکہ میں اور میرے بچے
بھوکے تھے۔ الٰہی! اگر میرے اس عمل میں خلوص تھا تو ہماری اس مشکل کو آسان فرما
دے۔ اس دعا سے پتھر اپنی جگہ سے ہلا اور ایک سوراخ پیدا ہو گیا لیکن ہم لوگ اس
سوراخ سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ دوسرے ساتھی نے اس طرح دعا کی کہ خدایا تجھ پر
روشن ہے کہ میری ایک ہم زاد بہن تھی جس پر فریفتہ تھا لیکن وہ مجھ سے کسی طرح راغب
نہیں ہوتی تھی اور میرے کہنے پر عمل نہیں کرتی تھی۔ ایک سال سخت قحط پڑا۔ وہ قحط سے
عاجز آ گئی۔ وہ میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار دیئے۔ اس شرط پر کہ
وہ میرا کہنا مانے جب میں اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگی کیا تم کو خدا کا خوف نہیں
ہے؟ جو تم میری بکارت اس کے حکم کے بغیر زائل کرنا چاہتے ہو۔ میں نے خدا کے خوف
سے اس کو چھوڑ دیا اور پھر اس کا قصد نہیں کیا حالانکہ دنیا میں مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز
عزیز نہیں تھی۔ یا الٰہی اگر میرا یہ فعل تیری رضا کی خاطر تھا تو اس مشکل کو حل فرما دے۔
اس دعا سے اس پتھر نے پھر حرکت کی اور راستہ کچھ اور کشادہ ہو گیا مگر اب بھی اس سے
باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔

جب تیسرے کی باری آئی تو وہ کہنے لگا کہ "ایک بار میرے پاس کچھ مزدور کام
کر رہے تھے سب اپنی اپنی اجرت مجھ سے وصول کر کے لے گئے سوائے ایک شخص
کے، وہ وہاں سے کہیں چلا گیا۔ میں نے اس کی اجرت کی رقم سے بکریاں خرید لیں اور
ان بکریوں کی میں نے تجارت شروع کر دی۔ مال بڑھتا گیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد
وہ شخص اپنی مزدوری لینے آیا۔ میرے پاس اس وقت اس کے مال میں سے بہت اونٹ،
خچر، بکریاں اور چند غلام تھے۔ میں نے اسے کہا یہ سب تمہارا مال ہے۔ اس کو لے لو۔
اس نے کہا آپ مجھ سے "مذاق کیوں کر رہے ہو؟ میں نے کہا میں مذاق نہیں کر
رہا ہوں۔ یہ تمام مال تمہاری اس رقم سے بڑھا ہے۔ الغرض وہ تمام مال میں نے اس
کے حوالے کر دیا اور اپنے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں رکھا۔ الٰہی اگر میرا یہ عمل خالص

تیرے لیے تھا تو ہماری مشکل آسان فرما دے۔ اس دعا سے وہ پتھر وہاں سے کھسک گیا اور راستہ کشادہ ہو گیا اور تینوں غار سے باہر نکل آئے۔

مشکلیں اور رکاوٹیں ہر کسی کی زندگی میں آتی ہیں۔ پرانے وقت کی نیکی آج کی مشکل کو آسان کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کا ایک ایسا اکاؤنٹ بھی کھول رکھا ہے جس میں آپ کی نیکیاں جمع ہوتی جا رہی ہیں۔ سب دعائیں اور التجائیں فوراً منظور نہیں ہوتیں۔ کچھ جمع پونجی کسی اور وقت کے لیے ہوتی ہے۔ کئی نیکیاں تو ہماری آنے والی نسلوں کے لیے راحت کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ ہماری آج کی دعاؤں نے ہمارے کل کو متاثر کرنا ہوتا ہے اس لیے ہر نیکی کو فوراً نہیں مانگنا چاہیے "نیکی کر دریا میں ڈال" اور "کر بھلا سو ہو بھلا۔ انت بھلے کا بھلا" کہاوتیں اسی حقیقت کو واضح کر دیتی ہیں۔

قائداعظمؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنی محنت کرتے ہیں آخر آپ کی کیا تمنا ہے تو انھوں نے فرمایا: "میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جب روزِ قیامت خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو وہ اتنا کہہ دے کہ "مسٹر جناح آپ نے بہت کمال کا کام کر دیا" یہی میرا انعام ہوگا۔ اس لیے ہمیں انسانوں کی خدمت کر کے صلہ خدا سے طلب کرنا چاہیے۔

آپ کوئی بھی نیکی کرتے ہیں تو اپنی بساط (حیثیت) کے مطابق کرتے ہیں لیکن مالکِ کل کائنات اس کا صلہ اپنی شان کے مطابق دیتا ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ "بے شمار لوگ اس لیے جنت میں جائیں گے کہ دنیا میں اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں" بس آپ اسباب کو دیکھنے کی بجائے اپنی کوشش کرنے کے بعد اُس سے دعا کرتے چلے جائیں وہ خود مسبب الاسباب ہے۔

"دعا مانگتے رہا کرو کیونکہ جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے اور جو مانگتا ہے اُسے ملتا ہے۔" (حضرت عیسیٰ)

دوستو! ایک بہت اہم راز آپ کو بتا تا چلوں کہ نیکی آپ دوسرے کے ساتھ نہیں کرتے ہو نیکی آپ اپنے ساتھ ہی کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ رب العالمین ایک ذرہ برابر نیکی کا صلہ بھی ضرور لوٹا دیتا ہے۔

OO

آپ کی ایمانداری دوسروں کو ایماندار بنا دیتی ہے

کاندھلہ اتر پردیش کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل وہاں پر مظفر حسین نامی ایک انتہائی خدا ترس عالم رہتے تھے۔ انھوں نے سات حج پیدل کیے تھے۔ کلام الٰہی کو ترجمے کے ساتھ سنانے کا زبردست ملکہ تھا۔ مولوی صاحب خود بھی اچھی باتوں پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کی تاکید کرتے۔ پورے علاقے میں ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ وعدے کے پابند اور زبان کے سچے ہیں۔ چاہے ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، نہ وہ وعدہ خلافی کرتے اور نہ ہی جھوٹ بولتے ہیں۔

1866ء کا ذکر ہے جناب اپنے کنبے کے ساتھ کاندھلہ سے گنگوہ جا رہے تھے۔ اس زمانے میں لوگ پیدل یا بیل گاڑیوں سے سفر کرتے تھے۔ ان کے خاندان کے لوگ بھی اس طرح نکلے۔ راستے میں ڈاکوؤں کا ڈر تھا۔ ایک سنسان جگہ پر ان کے قافلے کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ حضرت نے جب محسوس کیا کہ ڈاکو حملہ کرنے والے ہیں تو وہ اپنی گاڑی سے اتر کر ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور اس سے کہا: ''حملہ کرنے سے پہلے میری ایک بات سن لو'' سردار نے پوچھا: ''کیا کہنا چاہتے ہو''۔

''میں تمھارے ساتھ ایک معاملہ کرنا چاہتا ہوں'' سردار نے پوچھا: ''کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو؟''

حضرت نے فرمایا: ''تمھیں روپیہ پیسہ، زیور اور قیمتی سامان چاہیے تو تمھاری

غرض بغیر حملہ کے بھی پوری ہو سکتی ہے۔ تم ہماری عورتوں کو مت چھیڑنا، نہ ہاتھ لگانا۔ ہم اپنا سارا قیمتی سامان تمہارے حوالے کر دیں گے۔" سردار رضامند ہو گیا اور اس کے ساتھی ایک طرف بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب گھر والوں کے پاس آئے اور کہا: جس کے پاس جو زیور، پیسہ یا قیمتی سامان ہے مجھے دے دو۔ کوئی بھی چیز اپنے پاس نہ رکھو۔ عورتوں نے سب کچھ جمع کر کے مولوی صاحب کے حوالے کر دیا۔ وہ سارا اثاثہ لے کر سردار کے پاس گئے اور کہا: بھائی! دیکھو میں سب سامان لے آیا ہوں۔

سامان کی گٹھڑی ان کے حوالے کرنے کے ساتھ ہی ڈاکوؤں کا شکریہ بھی ادا کیا کہ انھوں نے ان پر اعتبار کیا اور عورتوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ڈاکو سامان لے کر خوش ہو گئے اور مولوی صاحب کا قافلہ گنگوہ کی طرف چل پڑا۔ یہ قافلہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ قافلے کی عورتوں میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ پہلے تو عورتیں ہچکچائیں، لیکن جب مولوی صاحب نے سختی سے پوچھا تو ایک بی بی نے بتایا کہ فلاں لڑکی یہ کہہ رہی ہے کہ میں اپنی ہنسلی (گلے کا ایک زیور) کپڑوں کے نیچے چھپائی تھی، اس لیے وہ میرے پاس بچ گئی ہے۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب نے گاڑی رکوائی اور نیچے اتر کر اس لڑکی سے کہا:

بی بی! یہ تو وعدہ خلافی ہے، ہم نے ڈاکوؤں سے وعدہ کیا تھا کہ سارا زیور اور مال انھیں دے دیں گے، اس لیے یہ زیور تو ان کا ہو چکا، لاؤ یہ مجھے دے دو، میں اسے ڈاکوؤں کو دے آؤں۔ اس نیک بی بی نے ہنسلی اتار کر مولوی صاحب کے حوالے کر دی۔ مولوی صاحب تیز تیز قدموں سے واپس وہاں پہنچے جہاں ڈاکوؤں کو چھوڑا تھا۔ ڈاکوؤں نے مولوی صاحب کو تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا تو سمجھے کہ انھیں کہیں سے مدد مل گئی ہے اور وہ اپنا سامان لینے آرہے ہیں۔ اس خیال سے انھوں نے ہتھیار اٹھا لیے۔ یہ دیکھ کر مولوی صاحب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہا: نہ میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں نہ میرا لڑنے کا ارادہ ہے، بلکہ تمہاری ایک امانت لوٹانے آیا ہوں۔ ہتھیار

رکھ دو اور اپنی امانت مجھ سے لے لو۔ یہ کہہ کر حضرت ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پہنچے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: بھائی! میں تم سے معافی مانگنے اور تمہاری امانت واپس کرنے آیا ہوں۔ ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنا تمام روپیہ، پیسہ اور زیور وغیرہ تمہارے حوالے کر دیں گے۔ لیکن افسوس کہ ایک بچی نے یہ ہنسلی اپنے کپڑوں میں چھپا لی تھی۔ اب تم یہ لے لو اور وعدہ پورا نہ کرنے پر جو قصور ہم سے ہوا، اسے معاف کر دو۔ بچی سے نادانی میں یہ غلطی ہو گئی تھی۔

مولوی صاحب کی بات سن کر ڈاکوؤں کا سردار حیران رہ گیا اور بولا: آپ مولوی مظفر حسین کاندھلوی تو نہیں ہیں؟ اس علاقے میں ان کے سوا کوئی اور تو ایسا سچا آدمی سننے میں نہیں آیا۔

مولوی صاحب نے فرمایا: ہاں بھائی! مظفر حسین میرا ہی نام ہے۔ یہ سنتے ہی ڈاکوؤں کا سردار رونے لگا اور مولوی صاحب کے قدموں میں گر کر کہنے لگا۔

مولوی صاحب! آج سے میں اس کام سے توبہ کرتا ہوں۔ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے معاف کر دے۔

دوسرے سارے ڈاکوؤں نے بھی اپنے اس کام اور سارے گناہوں سے توبہ کر لی اور مولوی صاحب کے قافلے سے لوٹی ہوئی ایک ایک چیز واپس کر دی اور عہد کیا کہ ہم نے آج تک جن لوگوں کو لوٹا ہے یا انھیں تکلیف دی ہے انھیں تلاش کر کے ان سے چھینا ہوا سامان اور روپے واپس کر دیں گے یا ان سے معافی مانگیں گے۔

"ایمان دار شخص وہ ہے جس سے لوگ اپنے مال و جان کو محفوظ سمجھیں۔" (حدیث شریف)

ایمان داری ایک ایسا ہیرا ہے جو ہر پتھر کو کاٹ دیتا ہے لوگ تبلیغ سے اتنا متاثر نہیں ہوتے جتنا آپ کے کردار سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ آج کی تم ظریفی یہ ہے کہ عالم دین جو عمر کرانے کا درس دے رہے ہوتے ہیں اس لیے درس سننے والے بھی کم

جا کر خوب پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ برصغیر میں اسلام پھیلانے میں بزرگان دین کے ساتھ ساتھ مسلمان تاجروں کا بڑا ہاتھ تھا کیونکہ وہ لوگ ایماندار تھے۔ جس کی وجہ سے اقوام غیر فوراً متاثر ہو جاتیں تھیں اور اسلام کی طرف راغب ہونے لگتیں تھیں۔

دنیا کے کامیاب اور امیر ترین لوگوں پر تھا اس سلسلے نے کئی سال تک ریسرچ کی اور ان کی کامیابی و کامرانی کی سب سے بڑی وجہ ایمانداری پائی۔ آپ بھی اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک آپ ہر کام ایمانداری سے سرانجام نہیں دیتے۔ ایمانداری بہترین حکمت عملی ہے دھوکے بازی، بددیانتی، فریب کاری اور جھوٹ کی تربیت (Training) ہمیں فلموں، ٹی وی پروگراموں واشتہارات اور گھر کے ماحول سے ملتی ہے۔ آج کل اسی لیے بددیانتی سے کام لینا ہمارے لیے ایک کھیل اور تفریح بن گیا ہے۔ بددیانتی کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ کوئی شخص بھی آپ سے ایک باری دھوکہ کھائے گا اس کے بعد اس کی نظروں میں آپ کا کردار اور ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ بددیانتی تعلقات کو تباہ کر دیتی ہے یہ ہمیں اطمینان اور سکون سے بھی محروم کر دیتی ہے۔

باعزت انداز میں ناکام ہو جانا بے عزت ہو کر کامیاب ہونے سے بہتر ہے۔ بعض شکستیں فتوحات سے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہیں۔ بددیانتی سے جیت جانا کردار کے فقدان کی علامت ہے۔ کسی فرد کے کردار کی حقیقی آزمائش یہ ہے کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا جب کہ اسے علم ہو کہ وہ پکڑا نہیں جائے گا۔ ایمان داری اپنانے کے دو ہی بہتر طریقے ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہے کہ آپ کس کا حق مار رہے ہیں۔ دوسرا یہ یاد رکھیں کہ آپ نے ایک نہ ایک دن مر جانا ہے اور جس شخص کے ساتھ آپ نے بے ایمانی کی ہوئی ہے وہ آپ کی بخشش میں رکاوٹ بن جائے گا۔ آپ کی ایمان داری دوسروں کو ایمان دار بنانے کا باعث بھی بنتی ہے یاد رکھیں نیکی کبھی کم نہیں ہوتی۔

''ایمان دار تاجر آخرت کے روز صالحین، صدیقین، شہدا اور انبیا کی صف میں کھڑا ہو گا۔'' (حدیث شریف)

OO

آپ کی اصل شناخت

تقریباً سو سال پہلے ایک شخص نے صبح کے وقت اخبار دیکھا۔ وہ یہ پڑھ کر حیران اور خوف زدہ ہو گیا کہ اس کا نام فوت ہو جانے والوں کے کالم میں درج تھا۔ اخبار میں غلطی سے اس کی وفات کی اطلاع شائع ہو گئی تھی۔ یہ خبر پڑھنے سے اسے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے سوچا "کیا میں زندہ ہوں یا مر چکا ہوں؟" تھوڑی دیر بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے سوچا کہ لوگوں نے اس کے حوالے سے کن تاثرات کا اظہار کیا ہے؟ وفات کی خبر کی سرخی تھی "ڈائنا مائٹ کنگ فوت ہو گیا" خبر میں لکھا تھا، "وہ موت کا تاجر تھا۔"

درحقیقت وہ شخص ڈائنا مائٹ بم کا موجد تھا۔ جب اس نے پڑھا کہ اس کے لیے "موت کا تاجر" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو اس نے خود سے پوچھا "کیا لوگ مجھے ان الفاظ میں یاد رکھیں گے؟ اس نے سوچا کہ وہ تو اس طرح یاد رکھا جانا نہیں چاہتا۔ اس دن سے اس نے امن کے لیے کام شروع کر دیا۔ ڈائنا مائٹ کنگ دراصل الفریڈ نوبل (Alfred Nobel) تھا اور آج اسے عظیم ترین نوبل پرائز کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ آپ کا اصل اثاثہ (Asset) کیا ہے؟ آپ مرنے کے بعد کس طرح یاد کیے جانا چاہتے ہو؟ کیا آپ محبت اور احترام سے یاد کیے جانا چاہتے

ہو؟ کیا آپ چاہتے ہو کہ لوگ آپ کی کمی محسوس کریں؟ اور کیا آپ کی آیندہ نسلیں آپ کا نام فخر سے لےسکیں گی؟ یہ وہ سوالات ہیں جو آنے والے کل کے متعلق ہیں لیکن یہ سوالات اگر ہر وقت سامنے رکھے جائیں تو آپ کا موجودہ عمل (Action) بدلنا شروع ہو جائے گا آپ فوری نتائج کے قائل نہیں رہیں گے بلکہ آپ آنے والے کل کو دیکھیں گے۔ سبزیاں جلدی اُگتی ہیں اور ختم بھی جلدی ہو جاتی ہیں۔ درخت (پیڑ) آرام سے بڑے ہوتے ہیں لیکن تا دیر قائم رہتے ہیں۔ دنیا والے گوبھی کے پھول کا سایہ نہیں لینا چاہتے وہ تو گھنی چھاؤں والے پیڑ کو تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔

"اس طرح جیو جیسے تم نے آنے والے کل مر جانا ہے" (مہاتما گاندھی)

زندگی کھیل تماشا نہیں ایسا نہیں ہے کہ ہم بیٹھے رہیں اور واقعات کو رونما ہوتے دیکھتے رہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ذاتی مفادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی سامنے رکھیں۔ قلیل مدتی فائدے کے لیے غلط فیصلے کرنے کی بجائے طویل مدتی فائدے کے لیے درست فیصلے کریں۔ ہمیں خبر ہونی چاہیے کہ کب اور کہاں ڈٹ جانا ہے۔ بڑے اعتماد کے ساتھ بھٹکنے سے بہتر ہے کہ ہم کسی بڑے مقصد کو مدنظر رکھیں اور چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ منزل کی جانب چلتے جائیں۔ یہ ضرور یاد رکھیں کہ ہم اس سیارے پر ایک مقصد کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ہم ایک کل کے جز ہیں۔ ہم ایک بڑی تصویر کا اہم حصہ ہیں۔

عظیم لوگ اپنے پیچھے بہت کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ دوسروں کا بھلا کرتا جاتے ہیں۔ وہ زندگی میں متحرک رہتے ہیں اور ان کی موت دوسروں کو تحریک دے جاتی ہے۔ سر سید احمد خان، ماؤزے تنگ، کمال اتاترک، آیت اللہ خمینی، مولانا مودودی، علامہ محمد اقبال، واصف علی واصف اور سید قطب وہ لوگ ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد آج بھی ایک سمت ایک راہ اور ایک تحریک کا باعث ہیں۔ یہ سب ماضی والے لوگوں نے ہی بہتر مستقبل کی داغ بیل ڈالی۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ کسی کو تعلیم و تربیت دینے کا

مطلب ہے کہ آپ کے افکار امر ہو گئے۔ سقراط نے افلاطون کو پڑھایا، افلاطون نے ارسطو کو اور ارسطو نے سکندر اعظم کو۔ ہر کوئی دوسروں کے علم اور نام کو زندہ رکھنے کا باعث بنا۔ اگر علم ایک فرد سے دوسرے کو منتقل نہ ہوتا تو اب تک علم مر چکا ہوتا اور آج ہر فرد اپنا اپنا پہیہ ایجاد کر رہا ہوتا۔

گزشتہ صدی میں روکفلر کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مالدار افراد میں ہوتا تھا۔ وہ بھی ایک مزدور تھا اور پندرہ پندرہ گھنٹے روزانہ کام کرتا تھا۔ 1929ء میں جب اس نے اپنے کاموں سے ریٹائرمنٹ لی تو اس کی دولت کا اندازہ 23 کروڑ پاؤنڈ تھا جو اس وقت کی ایک بہت بڑی رقم تھی۔ اتنی بڑی رقم ایک مزدور نے کہاں سے جمع کر لی؟ دراصل جوانی میں جب اس نے مزدوری شروع کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی آمدن کا دس فیصد خیرات کرے گا۔ اس نے خیرات کے ذریعے غریب لوگوں اور یونیورسٹیوں کی مدد کی اور خیرات کی برکت سے وہ امیر ترین شخص بنا اور اس کا نام بھی آج تک زندہ ہے۔ مجموعی طور پر اس نے اپنی زندگی میں ستر کروڑ پاؤنڈ خیرات کیے۔ کسی انسان کو کبھی اس بات پر عزت و محبت نہیں ملی کہ اس نے کیا کچھ حاصل کیا ہے بلکہ اس بات پر کہ اس نے کیا کچھ دوسروں کو دیا ہے۔

زندگی یہ نہیں کہ آپ کتنے خوش ہو زندگی یہ ہے کہ دوسرے آپ سے کتنے خوش ہیں۔ جو شخص صرف اپنا ہی خیال کرے وہ حیوانی سطح پر زندگی گزار رہا ہے کیونکہ حیوانات بھی کسی کا خیال نہیں رکھتے اور جو شخص اپنا بھی خیال رکھے اور دوسروں کا بھی وہ انسان ہے اور جو اپنا خیال کم اور دوسروں کا زیادہ رکھے وہ "اللہ کا دوست" ہے اور اس کا نام مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا۔

> "عظیم انسان بھی مرتے ہیں لیکن موت ان کی عظمت میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے" (واصف علی واصف)

مولانا روم ایک دفعہ فرمانے لگے کہ سب مر کر قبروں میں جاتے ہیں لیکن اچھا

انسان مر کر لوگوں کے دلوں میں چلا جاتا ہے اور لوگ یاد کے ذریعے اسے زندہ رکھتے ہیں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ صرف اپنے لیے زندہ رہنا ہے یا سب کے لیے؟ قبر میں جانا ہے یا لوگوں کے دلوں میں دفن ہونا ہے؟ ایک اچھی یاد بننا ہے یا نشانِ عبرت؟

OO

آخری الفاظ... زندگی کا عنوان

صبح کی ملاقات کا تاثر ابھی باقی تھا۔ وہ بار بار کہہ رہے تھے "وقت بہت تھوڑا ہے، وقت بہت تھوڑا ہے" بیماری کی وجہ سے نا اُمیدی طبیعت پر غالب تھی۔ لیکن پھر وہ نا اُمیدی کو نظر انداز کر کے ماضی کی اُن یادوں کو بیان کرنے لگتے جو ان کے لیے ابھی تک امید کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ معصومیت بھرا بچپن اور شرارتوں بھری جوانی کے دنوں کی یادیں اُن کے لیے خزانے سے کم نہ تھیں۔ پورے خاندان کے سربراہ ہونے کے ناطے آج ہر کوئی اُن کو محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ آج اُن کی باتوں سے یہ احساس نمایاں تھا کہ بڑھاپا ایک انداز نظر کا نام ہی تو ہے لیکن بڑھاپا دنیا کی سب سے سخت اور جان لیوا بیماری بھی ہے۔ شیخ صاحب نے سخت محنت اور ایمان داری کے ساتھ اپنے کاروبار کو وسعت دی۔ اپنے بچوں کی تربیت کے لیے مسجد کے مولوی اور مدرسے کے استاد پر اکتفا کرنے کی بجائے خود اپنے بچوں کے لیے رول ماڈل بنے۔ یہی وجہ تھی کہ آج اُن کے بچوں کے بچے بھی اپنے نانا اور دادا کی محبت کو اپنے لیے ایک قیمتی اثاثہ سمجھتے تھے۔ دو دن پہلے وکیل صاحب کو بلا کر تمام جائیداد اور کاروبار کی منصفانہ تقسیم کر دی گئی تھی لیکن کوئی یہ سوچنے کو بھی تیار نہ تھا کہ بڑے میاں اب اللہ میاں کے پاس جانے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آخر وہ بھی شام آ گئی جو بڑے میاں کی زندگی کی شام کو لے آئی تھی۔ آخری وقت بھی عجیب وقت ہوتا ہے ایک لمبی کہانی کا ادھورا انجام۔ ہزاروں

خواہشات، کئی محبتیں، بے شمار تعلقات اور لاتعداد باتیں نامکمل ہی رہ جاتی ہیں۔ دنیا
بھی عجیب میلہ ہے کسی کے دم سے سلامت زندگی اور کسی کے دم سے قیامت زندگی۔
جیسے پورے دن کی تھکان اتارنے کے لیے رات کی نیند ضروری ہے ویسے ہی پوری
زندگی کی تھکان اتارنے کے لیے موت کی نیند بھی بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹر بار بار
آکسیجن ماسک لگانے کی کوشش کرتا رہا اور بڑے میاں ہاتھ سے ماسک کو جھٹک کر خدا
کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتے رہے اور آخر کار اقرار
کے اظہار کے دوران زندگی کا سورج غروب ہو گیا۔ ایک کمال زندگی کا با کمال اختتام۔

موت سے پہلے بولے گئے آخری الفاظ بھی پوری زندگی کا فلسفہ بیان کر دیتے
ہیں۔ خدا کے بھروسے پر زندگی گزارنے والا خدا ہی کے حوالے زندگی کر دے تو موت
سکون کی ہے۔ موت کا خوف موت سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ موت کا خوف اس
کے لیے ایک سزا ہے جس کی زندگی بے مقصد گزر گئی۔ آخری وقت پر خلیفہ مامون رشید
کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "اے وہ جسے کبھی موت نہیں آئے گی اس پر رحم فرما جو مر رہا
ہے" آخری وقت کے قریب سکندر اعظم جس نے دنیا فتح کی اُس سے لوگوں نے پوچھا
کہ آپ اپنی سلطنت کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟ سکندر بولا "سب سے زیادہ
طاقت ور کے لیے" مشہور شاعر جان ملٹن بولا "پردہ گرا دو یہ کھیل ختم ہوا" قائد اعظم محمد
علی جناح کے آخری الفاظ تھے "اللہ پاکستان" شیر شاہ سوری بولا "روح کے اٹھنے کا
وقت آ گیا ہے" اور ٹیپو سلطان شہیدؒ بولے "اسی طرح تیزی سے آگے بڑھتے جاؤ"
اور ہمارے پیارے نبی آخری لمحات میں بھی اپنی امت کو یاد کر کے فکر مندی کا اظہار کر
رہے تھے۔

دنیا کے تمام ماہرین نفسیات یہ جانتے ہیں کہ انسان انتہائی سخت حالات میں سچ
بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ موت ایسی حقیقت ہے کہ جب اس کا سامنا ہوتا ہے تو فطرتاً
انسان کے منہ سے وہی الفاظ نکلتے ہیں جو اس کی پوری زندگی کے مقصد کا عنوان کہلائے

جا سکتے ہیں۔ زندگی کی آرزو کا حق بھی اس شخص کو ہے جو زندگی میں کوئی جستجو رکھتا ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اختتام بہتر تو سب بہتر (If end is well, all is well)

اچھے لوگ زندگی میں سایہ دار اور میٹھے پھلوں والے درختوں کے بیج بو دیتے ہیں جو اُن کے جانے کے بعد بھی دوسروں کے لیے آسانیوں کا باعث بنتے ہیں اور دوسری طرف کسی انسان کی بدبختی یہ ہوتی ہے کہ وہ خود مر جائے مگر اس کا گناہ نہ مرے اور اس کی زندگی ایک خاردار جھاڑی کی مانند ہو جو ہر ایک چیز سے الجھے اور موت بھی کانٹا ہو جو ہر کسی کے لیے چبھن کا باعث بنے۔ آخری دم کا کلمہ زبان سے پکا نہیں ہوتا بلکہ عمل سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ رب العزت پر اعتماد کے سہارے چلتے ہیں انھیں کسی بینائی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ وہ اپنی بینائی کو رسوائی کا سبب سمجھتے ہیں اس لیے وہ اپنی کوشش کے بعد تمام امیدیں اللہ جل شانہٗ سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ زندگی کی بے اطمینانیوں، ناہمواریوں، بدحالیوں اور بے چینیوں کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنا اندازِ فکر و نظر بدل کر خود کو اپنے مالک کے سپرد کیا جائے اور یاد رکھا جائے کہ جب مر ہی جانا ہے تو جھگڑا کیسا؟ آئیں دعا کریں کہ ہماری زندگی کلمے کی وضاحت بن جائے اور موت کلمے کا عنوان۔ آمین!

OO
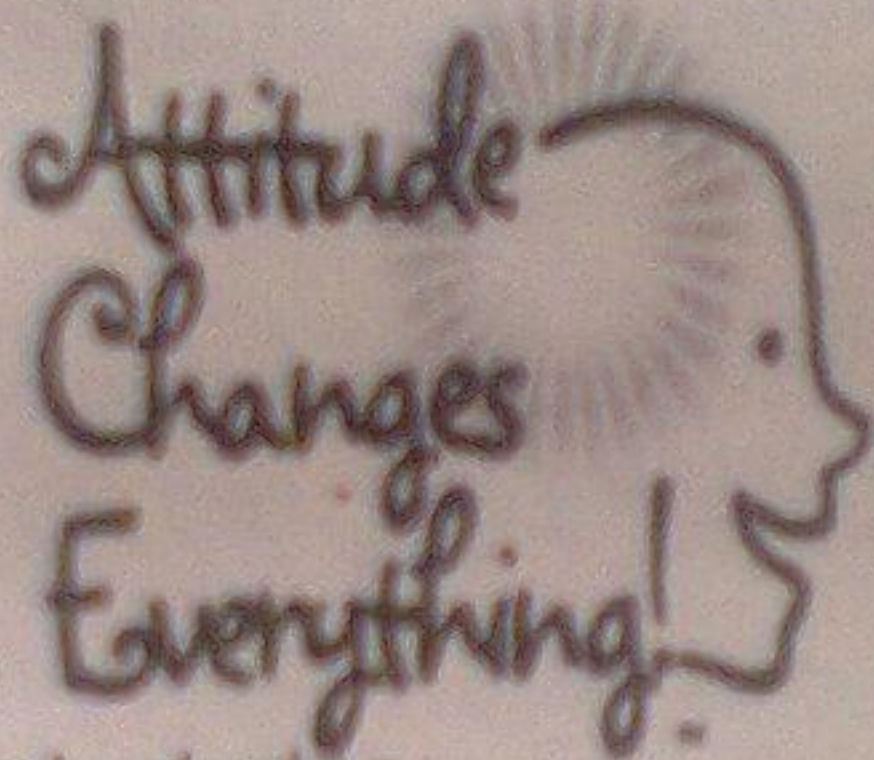
Attitude Training

Productive For Parents, Families, Students, Teachers, Businessmen & Specially for Negative Thinkers

As you know, Attitude is our "angle of attack", it's the way you approach and handle life. That's why it's said that Success is 20% aptitude; 80% attitude. Your attitude can take you forward or backward. The choice is always yours.

Attitude Changes Everything!

Course Includes:

- How to Change your Thinking.
- How to change your Attitude.
- How to change your Behavior.
- How to manage your Self Talk.
- How to replace Bad Habits.
- How to enhance Productivity.
- How to ensure Positive Contributions.
- How to develop Reactive or proactive Behavior Checklist.
- How to inculcate Winning Edge: Attitude not Aptitude.

4 Hours Training

For Details: **QASIM ALI SHAH,** 0333-4317811

DREAM LIFE THROUGH GOAL SETTING

Your passion, drive and determination can be dramatically increased when directed towards a focused goal. This workshop will do just that; provide you the direction needed to channel your energy to achieve your "Personal Best" in any aspects of your life.

Different Kinds of Goals

In this program you will Explore

- The hidden power of goals.
- The characteristics of effective goal
- How to expand your thinking
- The four stages of learning

With a goal setting game plan you will develop the freedom to choose the results that are important to you.

People are not lazy; they simply have impotent Goals; Goals that don't inspire them. Any one can redesign his Goals.

What are the Goals?
Difference B/W Successful & Failed Goals & Develop Can Do Attitude.
Why Do We Work?
Who Wants to be a Poor Person?
Why Don't We Work For Big Targets?
Objective of Goal Setting.
Importance of Goals..

GOAL.

For Details: QASIM ALI SHAH, 0333-4317811

کتاب کے بارے میں احباب کی رائے

قاسم سے ملاقات ہو تو اسے دیکھنے کو دل چاہتا ہے کہ بنانے والے رب نے اُسے خوش شکل بنایا ہے۔ وہ بات کرے تو سننے کو من کرتا ہے۔ خوش لباسی اس پر سوار ہے ایسے میں وہ کامیابی کی باتیں کرے اور خواب دکھائے تو خوش فکری کا خوشگوار احساس ہوتا ہے۔ پہلے وہ صرف سوچتا، خواب بنتا اور اپنے شاگردوں کو سناتا اور بتاتا تھا۔ اب خدائے رحمٰن نے اُسے دو میڈیم بھی عطا کر دیے ہیں۔ اخبار میں آرٹیکل لکھنے سے کتاب نگاری تک اتنی سی عمر میں دو اہم سنگ میل طے کر ڈالے ہیں۔ صاحب مطالعہ ہونے سے صاحب کتاب ہونے تک کی منزل پر آ پہنچا ہے۔ اللہ جی نے کتنی عزت اور اثر پذیری اُس کے بخت میں یقیناً اور بھی لکھ رکھی ہو گی۔ بس قاسم اچھا سوچتا رہا، اچھا کہتا رہا اور اچھا بتاتا رہا تو میرا پختہ یقین ہے کہ اُسے بہت اچھا ملتا رہے گا، یہاں Response اور وہاں مقام کہ اچھا سوچنے اور اچھا کہنے کے ساتھ ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں کو اللہ جی بہت عزیز رکھتے ہیں۔

اختر عباس

ادیب، مصنف بے مثال کتاب "دل پہ دستک" HR Consultant

جب ملک ترقی کرتا ہے تو افراد بھی ترقی کرتے ہیں اسی طرح جب افراد کامیاب ہوتے ہیں تو قوم بھی کامیاب ٹھہرتی ہے۔ کامیاب لوگ کامیابی کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں یہ اصول کیا ہیں؟ ہمارے ہاں لوگ ان اصولوں سے کلی طور پر واقف نہیں۔ اگر لوگ کامیابی کے اصولوں سے آگاہ ہو جائیں تو ان کی کامیابی کا سفر آسان ہو جائے گا بھی

ہو جائے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا۔ خوش قسمتی سے پُرجوش نوجوان قاسم علی شاہ نے نہ صرف ان اصولوں کو جانا بلکہ ان کو اپنا کر زندگی کے مختلف شعبہ جات میں کامیاب بھی ہوئے۔ اچھی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس علم کو خود تک محدود نہ رکھا بلکہ ہمیں بھی اس میں شریک کیا۔ کامیاب زندگی کے حوالے سے مضامین لکھنے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان کے مضامین ملک کے مختلف اخبارات بالخصوص روزنامہ ''ایکسپریس'' میں تواتر سے چھپتے رہے ہیں۔ اب ان مضامین کا انتخاب شائع کیا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نئی نسل کو اس کتاب کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے اور پھر اس کی روشنی میں اپنی کامیابیوں کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ کامیاب زندگی کے حوالے سے یہ ایک مفید کتاب ثابت ہوگی۔

پروفیسر ارشد جاوید

ماہر نفسیات، بپناٹسٹ، NLP پریکٹشنر

مصنف بے مثال کتاب (1) ''کامیابی اور خوشحالی آپ کا مقدر ہے'' (2) ''کامیابی کن لوگوں کو ملتی ہے''

ہر شخص کو یہ معلوم ہے کہ آج ہم جس جگہ پر ہیں وہ ہماری منزل نہیں ہے لیکن یہاں سے ہم نے کہاں جانا ہے اور وہاں پہنچنے کا کون سا راستہ ہے؟ یہ سمجھ نہیں آتا۔ ایک معاشرے کا مدافعتی نظام ایک مثبت سوچ والا فرد ہوتا ہے جس کو یہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہاں جانا ہے؟ اور مطلوبہ منزل حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس کیا سامان موجود ہے؟ جس طرح ایک ڈاکٹر بیماری کو دور کرنے کے لیے جسم کے مدافعتی نظام کو بحال کرنے کے لیے دوائی تجویز کرتا ہے اسی طرح معاشرے کو سدھارنے کے لیے معاشرے کا مدافعتی نظام یعنی فرد کو طاقتور کرنا ہوگا اور قاسم علی شاہ کی تحریریں اس عمل کو انجام دینے کے لیے ادبی میدان میں شاید بارش کا پہلا قطرہ تو نہ ہوں لیکن ایک اہم قدم ضرور ہیں۔

Omer Alghazali

Trainer, Writer & Team Leader (Centre of Human Excellence)

کامیاب ہونا اس پوری کائنات کی فطرت میں شامل ہے۔ ہر چیز بڑھنا، نشوونما پانا گویا کامیاب ہونا چاہتی ہے۔ انسان تو پیدا ہی کامیاب ہونے کے لیے ہوا ہے تو پھر کیوں بہت سے لوگ کامیاب نہیں ہو پاتے۔ لوگ اس لیے ناکام نہیں ہوتے کہ ان میں صلاحیت کی کمی ہے، لوگ اس لیے ناکام ہوتے ہیں کہ انھوں نے کامیاب ہونا سیکھا نہیں ہوتا۔ قاسم علی شاہ کی یہ کتاب آپ کی سوچ، رویوں اور ارادوں کو ایک توانائی دے گی۔ اس سے آپ کی زندگی کامیابی کی خوشیوں سے بھر جائے گی۔ یہ کتاب پڑھ کر آپ زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں، جلدی کامیاب ہو سکتے ہیں اور آپ کی کامیابی دیرپا ثابت ہوگی۔ اب آپ کامیابی کے پیغام کو آگے بڑھانے میں قاسم علی شاہ کا ساتھ دیجیے گا۔

قیصر عباس

مصنف ''شاباش تم کر سکتے ہو''

Chief Inspiring Officer "Possibilities"

کامیابی کیا ہے؟ یہ کہاں سے ملتی ہے اور کیسے حاصل کی جاتی ہے؟ .... یہ سوالات اوائل سے ہی سب کے لیے باعث تجسس رہے ہیں اور ان گنت مصنفین و محققین نے اپنے اپنے انداز میں ان کا سیر حاصل جواب دیا ہے۔ جواں سال قاسم علی شاہ نے بھی ان اہم سوالوں کا جواب واضح کرنے کی ایسی قابل ستائش سعی کی ہے جو نہ صرف کامیابی کا مفہوم واضح کرتی ہے بلکہ قاری کو کچھ بننے اور کچھ کر گزرنے کے لیے عملاً تیار بھی کرتی ہے۔

اس جامع کتاب میں وہ تمام مستند اصول یکجا موجود ہیں جو کامیابی کے متلاشی ہر

شخص کو کامیابی کی یقینی ضمانت مہیا کرتے ہیں۔ خوبصورت انداز بیاں، موزوں الفاظ، اشعار اور برجستہ حوالے پیغام کامیابی کی تاثیر میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

قاسم علی شاہ انسانی ترقی و بھلائی کا پیغام ہر سو پھیلا رہے ہیں۔ اللہ سبحان تعالیٰ ان کی بے لوث کاوش کو معاشرے میں مثبت تبدیلی کا موجب بنائے۔

صغیر احمد

چیئرمین (ٹرینرز اینڈ سپیکرز ایسوسی ایشن آف پاکستان)

کچھ اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے شاگردوں کے لیے باعث فخر و افتخار ہوتے ہیں لیکن یہ ایک عام سی بات ہے۔ خاص بات تو یہ ہے کہ کوئی شاگرد اتنا قابل اور باکمال نکلے کہ وہ اپنے اساتذہ کے لیے باعث تعارف بن جائے۔ ''کامیابی کا پیغام'' کے مصنف قاسم علی شاہ میرے ایسے ہی نابغہ روزگار شاگردوں میں سے ایک ہیں جو میرے لیے فخر کا باعث ہیں۔ آج قاسم علی شاہ کامیابی کی سائنس اور آرٹ پر لکھنے والے پاکستان کے چند چوٹی کے رائٹرز میں شامل ہیں۔ ان کی تحریریں اخباروں کی زینت بن کر لاکھوں قارئین کی زندگیوں میں خوشی و مسرت کے رنگوں کو بکھیر رہی ہیں۔

''کامیابی کا پیغام'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسے ضرور پڑھیے، بار بار پڑھیے اور اس یقین کے ساتھ پڑھیے کہ یہ آپ کی زندگی بدل سکتی ہے۔ کتاب میں درج آزمودہ، مستند اور آفاقی اصول قاسم علی شاہ نے اپنے سالہا سال کی تحقیق و تجربے کے ذریعے قابل عمل اسلوب میں پیش کیے ہیں۔ کامیابی کے حصول کے لیے ان اصولوں پر عمل کر کے دیکھیے۔ آپ مان جائیں گے کہ یہ ''کامیابی کا پیغام'' آپ ہی کے نام تھا۔

Sultan Khan
Ex.CSP Officer
Professional Speaker, Motivator, Trainer

نوٹ: سلطان خان صاحب کی ہفتہ وار اور ماہانہ Trainings کے

مزید متعلق جاننے کے لیے آپ اقبال صاحب 0322-4344241 سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی تقدیر بدلتا ہے تو اسے امید کی شمع روشن کرنے والے لوگ عطا کرتا ہے ان لوگوں میں مصنفوں کا کردار سرفہرست ہے کیونکہ ایک مصنف کی تحریر کا اثر دنوں، مہینوں یا سالوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے اور لوگ ان سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ دورِ جدید خاص طور پر ایسے مصنفوں سے بھرا پڑا ہے جو صرف طنز اور تنقید کو موضوع بنا رہے ہیں جس سے معاشرے میں نفسانفسی اور خود پسندی عام ہو رہی ہے اور عدم اعتماد کی فضا جنم لے رہی ہے ایسے میں قاسم صاحب جیسے لکھنے والوں کی اشد ضرورت ہے جو معاشرے میں مسلسل امید کا درس دے رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ہماری زندگی بے مقصد یا بے کار نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہمارے لیے بہترین تحفہ ہے جس میں ہمیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی اور دوسروں کی زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھرنے ہیں میری دعا ہے کہ قاسم صاحب کا یہ پیغام ہر خاص و عام تک پہنچے کیونکہ آج کے دور میں ہمیں دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے امید اور خود آگاہی

مبشر احمد خان

سول انجینئر (UET)

"دور سے آنے والی آواز بھی اندھیرے میں روشنی کا کام دیتی ہے"

حضرت واصف علی واصف کے اس قول کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظ بھی آواز ہی کی ایک مکتوبی صورت ہے۔ لفظ ایک دیپ ہے جو فکر کی راہوں میں روشن کیا جاتا ہے۔ لفظ ایک امانت بھی ہے۔ نوکِ زباں ہو یا نوکِ قلم ...... ہر نوکِ قلم سے ٹپکنے والا ایک ایک لفظ انسان کی عاقبت مرتب کرتا چلا جاتا ہے۔

اس دورِ پُرفتن میں جب دانشوری کی منڈیوں اور منڈلیوں میں فتنہ، تہلکہ اور انتشار کی جنس بیچنا آسان ہے اور اُمید، صبر اور عزم کے راستوں کی طرف بلانا ایک کارِ دشوار ہے ...... قاسم علی شاہ نے ایک دشوار گذار راستے کا انتخاب کیا ہے۔ بلاشبہ نیکی کا سفر ...... از روئے قرآن ...... ایک مشکل گھاٹی کا سفر ہے۔ آج نشر و اشاعت کے ہر شعبے میں مایوسی اور شر نشر کرنا دانشوری کا 'نارم' norm بن کر رہ گیا ہے ...... ایسے میں اُمید اور خیر کی خبر دینے والا "زمینی حقائق" کی جگالی کرنے والے رپورٹروں کے ہجوم سے الگ تھلگ کھڑا نظر آتا ہے۔ انسان کے حوالے سے سب سے بڑی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ چلتا زمین پر ہے مگر اُسے سفر آسمان کا درپیش ہے۔

دین خیر خواہی کا نام ہے ...... اس لئے خیر کی خبر سلام کی طرح پھیلنی چاہیے ...... شک اور شر کی تحقیق ہونی چاہیے۔ خیر کی خبر دینے کیلئے سب سے پہلے مخلص ہونا پڑتا ہے۔ دراصل اخلاص ایک خوشبو کی طرح ہے ...... اس خوشبو سے لطف اندوز بھی وہی ہوتے ہیں جو حسن کے سچے ہوں ...... مخلص ہوں۔ اخلاص ایک جنس نایاب ضرور ہے مگر ناپید نہیں۔ دوسری طرف خود غرض، کرگس مزاج ہوتا ہے ...... اور مردار خور ہونے کے سبب ...... وہ آسمانِ خیال کی رفعتوں میں پرواز کرنے والے شاہین کی افتادِ طبع کا ادراک نہیں کر سکتا۔ عالمِ اسباب میں صرف اسباب و علل تک محدود رہنا ...... انسانی شعور کی خودکشی ہے۔ اسباب کے محدود ہونے کی بنیاد پر مایوسی کے فتوے جاری کرنا

..... مردار خوری بھی ہے اور مردار فروشی بھی۔ آج وطن عزیز کو ایسے شاہین صفت صاحبانِ فکر کی ضرورت ہے جو انسان کو اُس کے اندر چھپے ہوئے لامحدود امکانات کے جہان سے روشناس کروا سکیں۔ محدود انسان کے اندر لامحدود امکانات کا خزانہ اس طرح مخفی ہوتا ہے جس طرح سیپ کے اندر موتی! بس ایک ممکن کی اطلاع دینا کافی ٹھہرتا ہے کہ شعور کے افق پر نیا سورج طلوع ہونے لگتا ہے۔

اُمید اور امکان کو لفظ کی صورت میں تراشنے والا ہی آج کے عہد کا زندہ فنکار ہے۔ قاسم علی شاہ جیسے روشن ضمیر لکھاری اس وطن کا سرمایہ ہیں ..... بلاشبہ وطنِ پاک میں ایسی ہی 'سرمایہ کاری' کی ضرورت ہے۔ مصنف نے نوجوان نسل کو مایوسیوں کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے اُمید اور اعتماد کا چراغاں کرنے کی کوشش میں اس کتاب کی صورت میں اپنے حصے کا دیپ جلایا ہے۔

انسان کے لیے مایوسی سے بڑھ کر اور کوئی دکھ نہیں۔ کہتے ہیں جب کوئی حوصلہ ہار دیتا ہے تو سب کچھ ہار دیتا ہے۔ اس پیرائے میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مخلوقِ خدا کے دکھ دُور کرنے کے لیے زبان اور قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ صدقہ ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب کی صورت میں ایک صدقہ جاریہ کا اجراء کر دیا ہے۔ نوجوان نسل ان کی تحریر سے روشنی لے گی ..... جس قدر روشنی کی اشاعت ہوگی' اُن کے حصے کا اجر بڑھتا رہے گا۔ قاسم علی شاہ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف فکرِ واصف سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مصنف کا شمار دورِ حاضر کے نوجوان لکھاریوں کی اُس فصل سے ہے جن کے نظامِ فکر کی رگ و پے میں فکرِ واصف فیض بن کر دوڑ رہا ہے۔ فرحت انگیز امر یہ ہے کہ اہلِ قلم کی یہ فصل اب بار آور ہوتی جا رہی ہے ..... بلاشبہ یہ "فیضانِ واصف" کا ایک سلسلہ ہے۔

ڈاکٹر اظہر وحید
ایڈیٹر
سہ ماہی "واصف خیال"
0321-9440961

روزنِ دل سے

''قوموں کے عروج و زوال کا انحصار افراد کی شعوری حالت پر ہوتا ہے کیا آپ شعور کی روشنی پھیلانے کے لیے اپنے حصے کا دیا جلا رہے ہیں؟''

بظاہر یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن چند لمحوں کے لیے ہر کس و ناکس کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے بہترین امت بنا کر بھیجا تھا، اشرف المخلوقات بنایا تھا کہ ہم لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم دیں لیکن انسان دنیا کے جھمیلوں میں گم نفسا نفسی میں گھرا ہوا ہے۔ ''میں'' کے علاوہ کچھ بھی ماننے کو تیار نہیں تمام احکامات کو پسِ پشت ڈالے بظاہر خوش لیکن نہایت depress زندگی گزار رہا ہے۔ دیا جلانا تو درکنار حضرت انسان تو جلتے دیے کو گل کرنے کی بے شمار techniques تیار کیے بیٹھا ہے۔

اب ذرا واپس آیئے اور غور کیجیے کہ اس ایک جملے نے ہمیں احتساب کے دوراہے پر کھڑا کر دیا اور ساتھ ہی اپنی غلطیاں سدھارنے اور کچھ کر گزرنے کی امنگ بھی پیدا کر دی اور پھر اس کے بعد یہ جملہ کہ۔۔

''زندگی صدیوں، سالوں، مہینوں اور دنوں میں نہیں بدلتی بلکہ زندگی اسی لمحے بدل جاتی ہے جب زندگی بدلنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔''

ہماری بے عمل زندگیوں میں بھی کچھ خاص کر گزرنے کا جوش بھر دیتا ہے اور پھر اس کے بعد تیسرا جملہ کہ

اگر اس دنیا میں آپ کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑا تو آپ کے جانے پر بھی کوئی

فرق نہیں پڑے گا۔"

انسان کو اچھے عمل کے لیے بڑے سے بھی بڑا اقدام اٹھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔اب آپ خود سوچیں کہ جس کے صرف تین جملے قیامت خیز حرکت برپا کر سکتے ہیں تو ایسے ہزاروں burning اور motivational sentences تو انسان کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا سکتے ہیں،زندگی بدل سکتے ہیں۔

اب تک میں بیسیوں فلاسفرز کی سینکڑوں کتب پڑھ چکا ہوں سینکڑوں میں زندگی بدلنے کا دعوی بھی کیا جاتا ہے لیکن پاکستان میں ایک لمبے عرصے کے بعد۔

جناب "قاسم علی شاہ" کی کتاب "کامیابی کا پیغام" نے یہ بات ثابت کر دی کہ ہاں کتابیں بھی زندگیاں بدل سکتی ہیں۔میں یہ دعوی صرف زبانی یا کلامی طور پر ہی نہیں کر رہا بلکہ اس کی چند زندہ مثالیں اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں دیکھ چکا ہوں۔

غرض کہ نہایت دھیمے،حلیم اور شستہ لہجے میں "شاہ جی" نے کامیاب زندگی گزارنے کا فلسفہ چند صفحات میں سمو کر رکھ دیا ہے کہ جس کو پڑھنے کے بعد "اقبال" کی شمع بن کر جل جانے کو جی چاہتا ہے۔

عموماً تمام مصنف اپنی کتابیں دماغ سے لکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کا اثر دلوں پر کم وبیش ہی ہوتا ہے،لیکن "کامیابی کا پیغام" کی خاص بات یہ ہے کہ شاہ جی نے اسے دل سے لکھا ہے اور دل سے لکھی گئی تحریر ہمیشہ دل پر اثر کرتی ہے۔اسی لیے کامیابی کا پیغام لفظی تعریف سے بالاتر ہے۔یہی وجہ ہے کہ چالیس بار پڑھنے کے باوجود دل اسی انہماک سے پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔جیسا کہ پہلی نشست میں تھا۔

محمد ذوالفقار مغل

ماہر تعلیم،ایم ڈی پاکستان سائنس سکول اینڈ گروپ آف کالجز

0321-6142051

Training & Lecture Conducted & Offered by

Qasim Ali Shah

1. Goal Setting to Goal Getting
2. How To Make Effective Memory
3. Study Smart
4. Educational Success
5. Success & Wealth Principles
6. Super Star Students
7. Mind Treasure
8. Impossible is nothing
9. Awaking the Genius Within
10. Self Confidence
11. Burning Desire
12. Character Building
13. Unlock Your Potential
14. The Ultimate Success Story
15. Body Language
16. Communication Skills
17. Sales Excellence
18. Team Building
19. Career Mapping
20. Positive Thinking
21. Leadership

قوموں کے عروج وزوال کا انحصار

افراد کی شعوری حالت پر ہوتا ہے

کیا آپ شعور کی روشنی کو پھیلانے کے لیے

اپنے حصے کا دیا جلا رہے ہیں

زندگی (Life) اور روشنی (Light) مشن کا

حصہ بننے کے لیے ہمارا ساتھ دیجیے۔

اگر آپ

ملک وقوم کی فلاح کے لیے

کوئی تعلیمی ادارہ یا NGO چلا رہے ہیں

تو اس مشن کے لیے ہماری خدمات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

قاسم علی شاہ فاؤنڈیشن

520-A گلشن راوی، لاہور

0333-4317811

MULTI-CARE COMPUTERS

Home or Office We Come to You

Produced by: Multi Care Computers
Phone No: 03204700020
E-mail: multicarecomputer@gmail.com
Fb: fb.com/multicarecomputer